ISSN 2079-8563
شمارہ ۳۱، ۲۰۱۱ء

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا

سالنامہ

معارفِ رضا

ایک اسلامی تحقیقی مجلہ

مجلسِ مشاورت و نظرِ ثانی

سالنامہ معارفِ رضا

جلد ۳۱ (۲۰۱۱ء)

مشمولات

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل

کراچی، پاکستان

تبصرہ کُتب

اداریہ

ایک صاحب دل صاحب ادراک و معانی
کشافِ سخن جس پہ ہیں فطرت کے اشارات

علم عربی لغت کا لفظ ہے، جس کے معنٰی ہیں معرفت، کسی شے کی پہچان۔ اسی سے تعلیم، تعلّم، متعلّم، معلم اور عالم کے الفاظ نکلے ہیں۔ علمائے نعت نے علم کی تفصیلی تعریف یوں کی ہے: ''علم ایک روشنی ہے جس سے حقیقتِ شے اس کے حامل پر منکشف ہو جاتی ہے۔'' علامہ امام راغب اصفہانی علم کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''علم حقیقت شے کا ادراک ہے اور یہ دو جزو ہیں، ایک ذاتِ شے کا ادراک، دوسرا کسی شے کے وجود اور عدمِ وجود پر حکم کا لگایا جانا۔'' (ترجمہ عربی عبارت لسان العرب، جلد ۱۱، ص ۴۵۵)

اسی طرح عالم کے اجمالی معنٰی ہیں موصوف بالعلم ہونا۔ اس کی تفصیل کی جائے تو معنٰی ہوں گے: ''علم پر عمل پیرا ہو کر اس کی تبلیغ، ابلاغ اور ترسیل کرنے والا''۔ اس تعریف سے ثابت ہوا کہ علم ایک نور ہے اور جہالت تاریکی، لہٰذا حاملِ علم کا فرض ہے کہ وہ معاشرے کی فلاح کے لیے ظلمتِ جہل کو نورِ علم کے ابلاغ و ترسیل سے مٹائے۔ تمام علوم کا منبع اللہ عزوجل علیم و خبیر کی ذاتِ مقدسہ ہے۔ جن و انس میں جس کو علم کا جو حصّہ ملتا ہے اسی سے ملتا ہے اور اس دولت و نعمتِ علم کے تقسیم فرمانے والے اس کے محبوبِ مکرم، سیّدِ عالم معلّمِ کائنات ﷺ ہیں، جیسا کہ آئندہ سطور میں قرآنِ حکیم کی آیاتِ بیّنات سے ثابت ہوگا۔ اس لیے علیم و خبیر جل جلالہٗ کا علم ازلی، ابدی اور حقیقی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: هُوَاللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ (الحشر، ۲۲) ترجمہ: ''وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر نہاں عیاں کا جاننے والا۔'' (کنزالایمان)

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی سنّت یہ ہے کہ وہ اپنے فضل خاص اور کرمِ خصوصی سے اپنے محبوب اور منتخب بندوں کو علمِ لَدُنّی عطا فرما کر مزید برگزیدہ بنا دیتا ہے، تاکہ خلقِ خدا پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ جب وہ اپنے کسی بندے کو مصطفٰی یا مجتبٰی کے زُمرے میں شامل کر لیتا ہے تو اس کو یہ اعزاز

بھی عطا فرماتا ہے کہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے علم و حکمت کا وہ بحرِ بے کنار عطا فرماتا ہے کہ انسانی فہم و خرد حیرت زدہ رہ جاتی ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

قرآنِ حکیم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس عطائے کریمانہ کی بے شمار مثالیں ہیں۔ صرف دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں تاکہ یہ بات واضح ہو جائے کہ علمِ نافع کی عطا منعمِ حقیقی عزوجلّ کی کتنی عظیم نعمت ہے:
ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب برگزیدہ کیا تو اعلان فرمایا: وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ، ۳۱) ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیا کے نام سکھائے۔ (کنزالایمان) سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جب نگاہِ رحمت اور نظرِ کرم ڈالی تو ارشاد ہوا: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ ءَاتَيْنَٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَٰهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا (الکہف، ۶۵) ترجمہ: تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علمِ لدُنّی عطا کیا۔ (کنزالایمان) آپ قرآنِ حکیم کی تلاوت "الحمد" سے "والنّاس" تک کرتے چلے جائیں، آپ کو جگہ جگہ اللہ علیم و خبیر و بصیر کے اس رحمت و فضل و کرم کے نظارے آپ کی چشمِ منتظر کو ٹھنڈک پہنچاتے نظر آئیں گے۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنے مصطفیٰ و مجتبیٰ برگزیدہ انبیاءِ کرام و رسولانِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم و حکمت کی دولت سے نوازا اور اسے اپنی رحمت سے تعبیر فرمایا، لیکن لیکن جب اپنے محبوبِ مکرم، امام الانبیا خاتم النبیین سیّد الاوّلین والآخرین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو علم و حکمت کی اس عطا کو نہ صرف اپنا سب سے بڑا فضل قرار دیا بلکہ عالمِ "ماکان ومایکون" کے تمام علوم اور حکمت کے تمام اسرار و رموز سے آپ کو نواز دیا۔ وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا (النساء، ۱۱۳) ترجمہ: اور اللہ نے تم پر (خاص اور آخری) کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (کنزالایمان)

یوں تو جملہ انبیا و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام چہار گانہ وظائف نبوّت کی ادائیگی کے لیے تشریف لائے، جس کا ذکر سورۂ آلِ عمرآن کی آیت مبارکہ (۱۶۴) میں کیا گیا ہے: (۱) آیاتِ الٰہی کی تلاوت (۲) تزکیہ نفس (۳) کتاب اور (۴) حکمت دانائی کی تعلیم۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ ءَايَـٰتِهِۦ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَـٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ (آلِ عمرآن، ۱۶۴) ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کا مومنوں پر بڑا احسان ہوا جب ان میں، ان کے نفوس میں سے ایک رسولِ محترم (ﷺ) کو مبعوث فرمایا، جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ ضرور اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ آیتِ کریم اور اس کی ترکیب پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ:

(۱) اس میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے محبوبِ کریم ﷺ کی بعثتِ مبارکہ کی عظمت کا بڑی شان سے اعلان فرمایا ہے کہ خاتم النبیین ﷺ ان فرائض چہار گانہ کی بدرجہ احسن تکمیل کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

(۲) اور اہل ایمان کے حوالے سے اس بعثتِ مبارکہ کو عظیم احسان قرار دیا ہے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ نبی رحمت ﷺ یوں تو کائنات کے نبی ہیں اور تمام جن وانس کی تعلیم و تربیت اور ان کے نفوس کے تزکیہ اور علم و حکمت کے رموز نکات سمجھانے تشریف لائے، لیکن بالفعل رحمت و احسان کے مستحق وہی خوش قسمت قرار پائے جو دولت ایمان سے بہرہ ور ہوئے اور تسلیم و رضا کی رفعت سے سرفراز ہوئے۔

(۳) قرآنِ حکیم کی آیاتِ مبارکہ علم و حکمت کا خزانہ اور تمام علوم کا منبع ہیں۔

(۴) تزکیۂ نفوس تعلیم الکتاب اور تعلیم الحکمت در حقیقت تعمیرِ کردار و سیرت کے حوالے ہیں۔

معلم کائنات، سید عالم ﷺ "خاتم النّبیین" کا عَلَمِ بلند لے کر تشریف لائے اور مذکورہ مقاصدِ اربعہ کی تکمیل فرمائی تو اللہ جلّ شانہ نے یہ اعلان فرمادیا: الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَـٰمَ دِينًا (المائدہ، ۳) ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔ (کنزالایمان) اس اعلان کے ساتھ بھی رفیق اعلی عزوجل نے اپنے محبوبِ مکرم ﷺ کو "مقامِ محمود" کی مسند نشینی کے لیے اپنے خصوصی جوارِ

رحمت "قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ" میں اعزازِ اعلیٰ کے ساتھ بلالیا۔ آقا و مولیٰ مُربّیِ کائنات ﷺ نے اپنے پیچھے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کی ایک مقدس جماعت چھوڑی، جن کی تعلیم و تربیت اور تزکیۂ نفوس اور کردار سازی خود آپ ﷺ خصوصی نظرِ کرم اور خصوصی عنایت کی مرہونِ مَنّت تھی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی عمل اسوۂ حسنہ کی پیروی میں جاری رہا۔ پھر حسن عمل کا یہ سلسلہ ان "اھل التّقیٰ و النّقیٰ والعلم والحلم والکرم" کی ذواتِ قدسیہ میں بھی جاری رہا جو صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے تربیت یافتہ نفوسِ قدسیہ کے دامنِ کرم سے وابستہ رہے نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنٍ احسان اور اخلاص کے ساتھ ان کے پیروکار علما و ائمہ سے علمی و روحانی اعتبار سے فیض یاب ہوتے رہے اور جس کے متعلق مخبر صادق سیّدِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ میری امّت کے علما و اولیا بنی اسرائیل کے انبیائے کرام علیہم السلام کی مانند یہ چہار گانہ فرائض صبح قیامت تک انجام دیتے رہیں گے اور علمِ نافع کو سینوں سے نکال کر کتابوں اور دیگر ذرائع ابلاغ کی امانت میں دے کر علم کی نعمتِ عظمیٰ کی ترویج و اشاعت اور ابلاغ و ترسیل کرتے رہیں گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان ذواتِ قدسیہ کو اپنی خوشنودی کا مژدہ ان الفاظ میں سنایا ہے: وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (التوبہ، ۱۰۰) ترجمہ: اور جو بھلائی کے ساتھ (صحابۂ کرام سابق الاولین مہاجرین وانصار کے ساتھ) وابستہ ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

دینِ اسلام کے ان ہی علما و اولیا نے امت نے، جو ہر دور میں صحابۂ کرام تابعین، تبع تابعین اور اہل التقیٰ و النقیٰ ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے پیروکار رہے ہیں، انسانی معاشرے میں علمِ حقیقی و نافع کو جو وسعت و فراوانی بخشی ہے اس کا اندازہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ ان میں سے ہر متبرک شخصیت کا تو بقولِ حافظؔ یہ حال ہے۔

زِ مُصحَفِ رخِ دِلدار آیَتی بَرخواں

کہ آں بیانِ مقاماتِ کشف و کشّافست

(ترجمہ: دل دار کے رخ کے مصحف سے ایک آیت پڑھ کہ وہ مقامات کشف و کشاف بیان ہے)

یہ حضرات ہر زمانے میں علمِ حقیقی کا منبع اور دانشِ نورانی کا مینار ہوتے ہیں۔ اہل اللہ، صاحبِ علم وبصیرت، عوام و خواص سب حلّ الاشکال کے لیے خواہ وہ علمی ہو یا روحانی، دینی ہو یا دنیوی، معاشی ہو یا معاشرتی انہی کی طرف رجوع لاتے ہیں۔ عصرِ حاضر کے ماضی قریب میں مجددِ دین و ملّت، شیخ الاسلام و المسلمین، امام احمد رضا خاں القادری محدثِ بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عبقری شخصیت اللہ رب العزّت کے انہی مذکورہ انعام یافتہ عباداللہ المخلصین تبع تابعین اور ائمۂ کرامانِ اُمّت کی ذواتِ قدسیہ کی یاد گار اور ان کی باقیات الصٰلحات میں سے تھی۔ امام احمد رضا قدس اللہ سرہٗ العزیز، اللہ تعالیٰ کے ان مقربِ بارگاہ بندوں میں سے تھے جنہیں لوح و قلم کے طفیل تو بہت کچھ ملا ہی تھا، مگر فضلِ ربِّ قدیر اور فیض محبوبِ ربّ العزیز ﷺ سے علم لدنّی کا وہ کچھ حصّہ عطا ہوا جس کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وہ ''العطایا النبویہ'' ہے جسے دیکھ دیکھ کر اہلِ علم و عرفان حیران رہ جاتے ہیں۔ کسی بھی شخصیت کا علمی نظم و ضبط کے آئینہ میں جائزہ لینے اور مطالعہ کرنے کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب اس شخص میں چند اہم اجزائے ترکیبی موجود ہوں:

۱۔ وہ فہم و ذکاوت اور علم و فن کے اعتبار سے اپنے وقت کی عبقری شخصیت ہو۔

۲۔ عصری مسائل اور حالات کے اعتبار سے مرجعِ خواص و عوام ہو۔

۳۔ اس کی تحریر و تقریر اور علم و بیان میں کمال درج کا نظم و ضبط ہو۔

۴۔ اپنے دور کے مسائلِ جدیدہ اور ان کے مترادفاتِ قدیمہ کی جزئیات و کلیات پر محیر العقول دست رس رکھنے والی اور علم اور اس کے ابلاغ و ترسیل کے تمام موجود وسائل اور اس کے استعمال سے اچھی طرح واقف ہو۔

۵۔ اس کی تحریر و تقریر، فصاحت و بلاغت و براعت اور دلائل و براہین سے مدوّن و مزیّن ہو۔

۶۔ جب اس کسوٹی پر ہم امام احمد رضا کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی ہمہ جہت شخصیت کی انفرادیات اور امتیازات کہیں زیادہ نمایاں پاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ بے شمار علماے عرب و عجم، جن میں امام صاحب سے اعتقادی، نظری اور علمی اختلاف رکھنے والے بھی شامل ہیں، آپ کے تبحرِ علمی اور علوم وفنونِ عقلیہ ونقلیہ بالخصوص فقہ اسلامی میں بے نظیر دست رس اور اس کی جزئیات وکلیّات پر کامل دست گاہ کا برملا اعتراف کرتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مثلاً افغانستان سے تعلق رکھنے والے دورِ جدید کے ایک متبحر عالمِ باعمل کا امام صاحب کی شخصیت کے حوالے سے ایک جامع تبصرہ ملاحظہ ہو، تاکہ امام احمد رضا کی یگانۂ روزگار شخصیت کا ایک واضح خاکہ قارئینِ کرام کے ذہن میں مرتسم ہو جائے۔

افغانستان کی سابق عبوری حکومت کے قاضی القضات (چیف جسٹس) جامع المعقول والمنقول، حاوی الفروع والاصول، شیخ الحدیث علامہ ابوالفتح محمد نصر اللہ خاں افغانی، مدظلہ العالی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی تصانیف بالخصوص ان کے فتاویٰ کے عمیق مطالعہ کی بنا پر ایک مجلسِ علمی میں (جس میں راقم بھی حاضر تھا) امام صاحب کی شخصیت پر یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں: امام احمد رضا قدس سرہ السامی مجتہد فی المسائل تھے۔ ان کی شانِ اجتہاد ایسی ہے کہ وہ ہر مسئلے میں پہلے اصول دیتے ہیں، کلّیہ پیش کرتے ہیں، اصول کے تحت جزئیات کو پیش کرتے ہیں اور اس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں کہ کون کون سی جزئیات کن کن اصولوں کے تحت ہیں۔ پھر سیاق وسباق کو بھی دیکھتے ہیں، عبارات، اشارات اور اقتضایٰ کو بھی مدِّ نظر رکھتے ہیں، الفاظ وکلمات اور ان کے معانی اور استعمال سے بھی باخبر ہیں، رسم ورواجِ زمانہ و محلّ ومقام اور محاوراتِ اقوام کے بھی عارف ہیں پانچ سو (۵۰۰) سے زیادہ آیاتِ قرآنیہ اور تین ہزار سے زائد احادیثِ مبارکہ جو حلال وحرام کے احکاماتِ جلی سے متعلق ہیں، ان کے بارے میں وہ علم الیقین، بلکہ عین الیقین، نہیں؛ بلکہ حق الیقین رکھتے ہیں۔

بلاشک وشبہ امام احمد رضا محدثِ بریلوی رحمۃ اللہ ورضی اللہ عنہ کا ایوانِ علم و دانش ایک ایسا حیرت کدہ ہے جہاں زمانے کے بڑے بڑے دانشور گم ہوتے نظر آتے ہیں۔ غرضیکہ اس مقرّبِ بارگاہِ معلمِ کائنات ﷺ کا یہی گراں قدر علمی، فکری، تحقیقی وتصنیفی سرمایہ ہے جسے آج اہلِ علم وتحقیقِ علم کی ایک فرع "رضویات" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ گزشتہ ۴۰ برسوں میں بالخصوص ادارۂ تحقیقاتِ

امام احمد رضا (انٹر نیشنل) کے قیام کے بعد، اہلِ علم و تحقیق ادھر متوجہ ہوئے ہیں اور دورِ جدید کی درس گاہوں اور علمی مراکز میں اس پر تحقیق و تدقیق اور تصنیف کا خاصہ کام ہوا ہے، لیکن بطورِ نصاب "رضویات" کو مرتب کرنے کا ابھی بہت کام باقی ہے۔

بحمد اللہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کی کاوشوں کی بدولت عالمی جامعات میں بھی "رضویات" بطورِ نصاب شامل کرنے کی اہمیت پر مقالات لکھے جارہے ہیں اور ہماری دعوت کی گونج علم و فن کے قدیم اسلامی مراکز میں بھی سنی جارہی ہے۔ چنانچہ مصر کے عصرِ جدید کے عظیم صاحبِ علم و قلم، شاعر و ادیب محقق تراث الاسلامی جامع ازھر شریف کے لائق فائق استاذالاساتذہ مجمع الغاتِ الأُممِ الاسلامیہ جامعہ عین الشمس قاہرہ کے رکنِ رکین اور عربی کے علاوہ آٹھ سے زیادہ زبانوں کے جاننے اور ان میں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کرنے والے علامہ دکتور حسین مجیب مصری مرحوم امام احمد رضا کی عربی نثری و نظمی تحریرات اور ان پر لکھے گئے مقالات کے مطالعہ کے بعد اپنے ایک عربی مقالہ بعنوان "وجہ الحاجات الی دراستہ مولانا احمد رضا خاں (۱۴۲۰ھ\۱۹۹۹ء)" رضویات کو بطورِ فرعِ علم مصر کی جامعات میں متعارف کرانے کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں: "مولانا احمد رضا خاں پر تحقیقی مقالات ان کی عظیم اسلامی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس شخصیت سے کماحقہ باخبر ہو۔ اس شخصیت کے کارنامے اس سے کہیں زیادہ ہیں جو اب تک (ملکی اور عالمی سطح پر لکھے گئے) مقالات میں بیان کیے گئے۔ اس لیے کہ اس شخصیت کے خدوخال (سوانح) اور اس کے ورثۃ العلمی الاسلامی کا مطالعہ دراصل اصلِ دینِ حق کا مطالعہ ہے؛ اصول اور لوازمات کا مطالعہ ہے، جن کا جاننا ہم سب کے لیے ضروری ہے۔

مولانا احمد رضا (رضویات) پر درس و تدریس کثیر وجوہ کی بنیاد پر عظیم اہمیت کی حامل ہے۔ وہ اسلام کی ایک عبقری شخصیت ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس لیے کثیر الجہات اعتبار سے ان کے ورثۃ العلمی الاسلامی میں ان کی خدمات کی اجمال و تفصیل دیکھنے میں آئی ہیں۔ وہ امامت کے منصب پر فائز ایک فقیہہ ہیں جن کے فتاویٰ حقائق کی ایسی تجلّیات سے جگمگا رہے ہیں کہ ان کے عہد کے عالمِ اسلام کے علما وہ جولانیاں نہ دکھا سکے۔ گویا ان کی بتحرِ علمی عالمِ اسلام کے افق پر روشنی بن کر چھا گئی ہے۔ وہ

عربی، اردو اور فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔" (مفہوم۔ بحوالہ: الکتاب التذکاری مولانا احمد رضا خاں، ناشر دارالاتحاد القاہرہ، ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء، ص۸، ۱۸) بلا شبہ رضویات پر یہ پیش رفت تین شخصیات کی مرہونِ منّت ہے۔ حضرت حکیم موسیٰ امر تسری، ماہرِ رضویات مسعودِ ملّت حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، اور بانیِ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹر نیشنل (جو اب ایک ٹرسٹ کی صورت میں کام کر رہا ہے) حضرت مولانا سید ریاست علی قادری رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ الاسلام امام احمد رضا قدس سرہ السامی جدید تحقیق کے مطابق سو(۱۰۰) سے زائد علوم وفنون پر دست گاہ رکھتے تھے، لیکن ان کی تحریرات کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی ہمہ جہت شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا عشقِ رسول (علیہ التحیۃ والثناء) اور تفقہ فی الدین ہے۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ تفقہ فی الدین کا ملکہ کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ یہ ملکہ رحمتِ خداوندی کی نوازش اور بارگاہِ نبوی علیٰ صاحبہا التحیّۃ والثّناء کی عطا ہے اور یہی علمِ لَدونّی ہے۔ دین میں کمالِ تفقہ حاصل کرنے والے ہی "صاحبِ حکمت" اور "صاحبِ خیرِ کثیر" کہلاتے ہیں۔ امام صاحب کی عظیم شخصیت اور ان کی اہم تصانیف کا، جو اردو، عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں موجود ہیں، گہرا مطالعہ کرنے والے محقق علمانے ان کی ہمہ جہت شخصیت کی درجِ ذیل خصوصیات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ ان کے ہم عصر اور ان کے بعد کے جیّد علماے عرب و عجم نے آپ کی عبقریت کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کو نادرِ زمن، یگانۂ روزگار، مجدّدِ وقت، قاضی القضات عالمِ اسلام، امام الائمہ، وحید العصر، اعلیٰ حضرت، خاتم المحققین اور اس طرح کے دیگر اعلیٰ خطابات سے نوازا ہے۔

۲۔ عشقِ رسول ﷺ میں سرشاری وجذبۂ فداکاری اور کمالِ اتّباعِ رسول ﷺ کی خوبیاں جہاں ان کے عمل سے ظاہر ہیں وہیں ان کی تحریر کی ہر ہر سطر میں نمایاں نظر آتی ہیں۔

۳۔ فکر و نظر میں عُمق و دِقّت، مطالعے میں کمال درجے کی وسعت اور ہمہ گیریت، فہم میں اعلیٰ درجہ کی صحت وقطعیت، قوّتِ استدلال کی بے پناہ صلاحیت، اَخذِ نتائج میں کمال درجہ پختگی اور مہارت، رائے میں حد درجہ ثقاہت وصلابت اور قولِ فیصل صادر کرنے کی غیر متباری صلاحیت، جسے کسی سطح پر نہ تو چیلنج کیا

جاسکے اور نہ جس کا کوئی متقابل ہو، علم و بیان میں کمال درجے کا نظم وضبط، زبان وبیان میں فصاحت و بلاغت اور براعت کا اعلیٰ معیار ہر سطح پر قائم رکھا علومِ قدیمہ وجدیدہ پر محیرّ العقول دسترس، مسائل جدیدہ وقدیمہ پر گہری نظر اور اس کی بہتری تنقیح اور حل پیش کرنے کی صلاحیت۔ یہ اور امام صاحب کی شخصیت کے دیگر امتیازات اس بات کے متقاضی ہیں کہ ماہرینِ تعلیم اور درس گاہوں اور جامعات کی ہر سطح پر اساتذۂ علم وفن کی توجہ ''رضویات'' کی طرف مبذول کرائی جائے اور اسے بطور ایک موضوعِ سخن یعنی مستند وفرعِ علم (ڈسپلین) مدارسِ اسلامی، اسکول، کالج اور جامعات کے نصاب میں متعارف کرائی جائے۔ اس کی اہمیت اور تشویق وترغیب کے لیے بعض محققین بالخصوص جامعہ پنجاب کے ریسرچ اسکالر سلیم اللہ جندران صاحب، پروفیسر دلاور خاں نوری (پرنسپل پوسٹ گریجویٹ جامعہ ملیہ کالج، ملیر، کراچی اور جوائنٹ سیکریٹری ادارۂ ہٰذا)، پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (شعبۂ ارضیات جامعہ کراچی اور جنرل سیکریٹری ادارۂ ہٰذا) نے مقالات لکھے ہیں شعبہ جات کے حوالے سے نصاب کا ورکنگ پیپر پیش کیا ہے اور اپنی اپنی سطح پر رضویات اور متعلقاتِ رضویات سے متعلق نصاب کو جامعات کالج اور اسکول کے بعض شعبوں میں متعارف کرانے میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ جس کی تفصیل معارف رضا کے شماروں میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی ہے، لیکن اقبالیات کے طرز پر رضویات پر، بہ طورِ فرعِ علم، کام ابھی صرف ابتدائی مراحل میں ہے؛ اس کے لیے مزید تحریک اور خزکی قوّت کی ضرورت ہے۔

دیکھا جائے تو ''رضویات'' کا اصل سرچشمہ قرآن وسنّت ہیں۔ اس لیے یہ کوئی نئی فرعِ علم نہیں۔ کیونکہ امام ہمام کی تحقیقاتِ علمی کی اساس پر اگر آپ نظر ڈالیں تو یہ قرآن وحدیث، آثار وسیر اور اقوالِ ائمہ ہیں، لہٰذا ''رضویات'' کا مطالعہ اور اس پر تحقیق کرنے والا مآلِ کار قرآن وحدیث، اجماع وقیاس کے اصل مآخذ تک رسائی حاصل کر سکے گا۔ امام ہمام احمد رضا القادری محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا صرف مجموعہ فتاویٰ ''العطایاالنبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ'' کا اگر مطالعہ کیا جائے تو ایک ایک نظر پر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی تحریر وفکر کی تمام تابانیاں وجولانیاں قرآنِ حکیم اور اَعلمِ کائنات، عالِمِ مَاکَانَ وَمَایَکُوْن علیہ التحیہ والثناء کے علم کے نور کی پرتو ہیں۔ وہ علمِ مصطفیٰ ﷺ کے صاف وشفّاف، مصفّٰی وپاکیزہ سرچشمہ

سے سیر اب اور ائمۂ کرامانِ اُمّت بالخصوص امامِ اعظم امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کے بحرِ علم کے غوّاص اور ان کی روحانی تربیت کے فیض یافتہ ہیں، بلکہ دورِ جدید میں صحیح العقیدہ مسلمان اور حنفی المذہب ہونے کی آپ ہی شناخت ہیں۔

تحقیق اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اس کا اصل "حق" ہے ثابت ہونا، اسی سے "تحقیق" ہے یعنی کسی خبر کا پایۂ ثبوت تک پہنچا۔ دوسرے الفاظ میں تحقیق حقائق کی تلاش وجستجو کا نام ہے۔ گویا تحقیق نام ہے مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ حقیقت کی دریافت، تصدیق یا انکشاف کا، اسے احقاق بھی کہتے ہیں تلاش وجستجو اور تدبیر و تفکر کا سفر ترویج وارتقا اور ابلاغ وترسیل علم کے لیے ضروری ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے فہمِ دین و دنیا کی اساس عشقِ رسول ﷺ کو قرار دیا۔ اسی فکر و فلسفہ کے تحت وہ مسلمانانِ عالم کو ایک زندہ وپائندہ امت دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ہزار سے زائد مقالات و تصانیف کے ذریعے اپنے اسی فکر و فلسفہ کے نشوونما کی اور اس کو دوسروں تک پہنچانے کی سعی و کاوش کی۔ لہٰذا عقائد و نظریات کا معاملہ ہو یا تعلیم و تعلّم کا سیاسیات ومدنیات کا ہو یا معیشت و معاشرت اور صحافت وادبیات کا، ہر محاذ پر ان کی بطریقِ احسن رہبری ورہنمائی میں اسی فکر و فلسفہ کی روح کار فرما ہے۔

علم، عمل اور عشقِ رسول ﷺ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے انہی گوشوں سے دنیائے علم کو روشناس کرانے اور ان کی تعلیمات اور نظریۂ تعلیم کو جدید عصری تقاضوں کے مطابق فروغ دینے کے لیے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کا ۱۹۸۰ء میں قیام عمل میں آیا جس کے بانی وصدرِ اوّل حضرت سیّد ریاست علی قادری تھے اور سرپرستِ اوّل ماہرِ رضویات، مسعودِ ملّت حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔ اس کی تفصیل ادارے کی طرف سے شائع شدہ کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کارواں میں فقیر بھی ایک بنیادی رکن وخادم کی حیثیت سے شامل ہوا۔

رضا شناسی کا یہی تقاضا ہے کہ علم کی وہ روشنی جو اللہ رب العزت جلّ جلالہ کے نور سے حضور اکرم ﷺ تک پہنچی اور پھر ان کی معرفت صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم کو اور وہاں سے تابعین، تبع تابعین

اور ائمۂ کرامانِ امّت کو درجہ بہ درجہ پہنچی اور پھر ان سے امام احمد رضا مجدّدِ اکبر قدس سرہ العزیز روشن ہوئے، اب ان سے مستعار اس روشنی کو آنے والی نسلوں تک پھیلانے کا حتی المقدور اہتمام کیا جائے۔ یہی پیغامِ رضا ہے، یہی ہمارا مشن ہے اور یہی مسلم امہ کی بھلائی کے لیے وقت کا تقاضا ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (ٹرسٹ) گزشتہ ۳۱ برسوں سے علومِ نبوت کے وارث، العطایہ النبویہ کے مظہر عبد المصطفیٰ امام احمد رضا کے علوم کی اسی روشنی کے ابلاغ و ترسیل میں لگا ہوا ہے اور اس تحریر کے توسل سے آج پیغامِ رضا کی یہی صدا قارئینِ کرام تک پہنچانا مقصود ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو علمِ نافع کے اس مرکز تک رسائی عطا فرمائے، اپنے محبوبِ کریم رسولِ امین صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے صدقے میں ہمیں نفع بخش علم سے بہرہ مند فرمائے نیز اسے دوسروں تک منتقل کرنے اور اعمالِ صالحہ اختیار کرنے کی توفیقِ رفیق بخشے۔ آمین بجاہِ النبی الامین الکریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔

امام ہمام، شیخ المسلمین والاسلام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان پر جو تحقیقاتِ علمی اور ان کے ورثۃ العلمی الاسلامی کے دریافت شہ پاروں پر گزشتہ پچاس برسوں میں بہت کچھ پیش رفت ہوئی لیکن جب بھی کوئی محقق اپنے موضوع اور پسند کے فرع علم کے حوالے سے کوئی تحقیق کرتا ہے تو وہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ اس فرعِ علم یا موضوعِ زیرِ بحث کے حوالے سے امام احمد رضا نے جو تحقیقاتِ علمی کی ہیں اس میں اس قدر گہرائی و گیرائی اور وسعت ہے کہ اس ایک فرعِ علم یا موضوع پر بیسیوں مزید عنوات اور پہلوؤں پر مزید کام کی گنجائش نظر آتی ہے، جن پر صبحِ قیامت تک کام ہوتا رہے گا۔ سیّدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یادگارِ عالی سے اس عاشقِ رسول عبدِ مصطفیٰ کو علم لَدُنّی کا وہ وافر حصّہ عطا ہوا ہے کہ اہلِ علم تا صبحِ حشر فیض یاب اور سیر اب ہوتے رہیں گے اور کہیں گے کہ ابھی تو ہم نے ان کا حسنِ سراپا نظر بھر کے دیکھا ہی نہیں ہے۔

ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا　　　جو یہ کہدے کہ ترا حسنِ سراپا دیکھا (جگر)

مدیرِ اعلیٰ

اصلاحِ معاشرہ میں امام احمد رضا کی سعی

سراج احمد بستوی

ریسرچ اسکالر، یونیورسٹی آف کانپور، بھارت

Abstract: Guidance of the society is an important responsibility of ulema. In this article, the services of Imam Ahmad Raza in guiding and educating the society have been presented. Being an expert of Islamic Law, he corrected every wrong doer and never delayed the correction of any opinion or act that was against Sharia. He struggled for removal of wrong and void practices was enormous and emphasized the true teachings of Islam about life. He condemned a number of incorrect practices and taught the ethics and method of pilgrimage and *fatiha*. He declared *sajda-e tazimi* as unlawful. However, he also opposed the stoppage of allowed practices. He declared abbreviating the praise of the Prophet (peace and mercy upon him) as deprival from a blessing and misfortune.

Keywords: Prophets, Milad, the Night Journey, the sacred shoe, urs, shrine, pilgrimage

خلاصہ: اصلاح معاشرہ علمائے کرام کی ایک اہم ذمّے داری ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں اصلاح معاشرہ کے لئے امام احمد رضا کی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ بحیثیت عالم دین آپ نے جہاں کسی قول یا فعل کو خلاف شرع پایا اس کی اصلاح فرمائی۔ آپ نے سماجی اصلاح اور سدھار کے لئے جدوجہد کی اور بری رسوم و باطل روایات کو غلط ثابت کیا۔ امام احمد رضا نے بعض رسومِ اعراس، مزارات پر حاضری اور دعوتِ میت کے شرعی احکام نیز زیارت و فاتحہ کے آداب بیان کئے۔ آپ نے سجدہ تعظیمی کا منع ہونا ثابت کیا۔ آپ نے جائز امور سے منع کرنے والوں کی گرفت بھی کی اور نام رسول ﷺ کے بعد اختصار "یا صلعم لکھنے والوں کو محروم و بدنصیب قرار دیا۔

اہم الفاظ: علم، انبیاء، تبلیغ، میلاد، شب معراج، نعلین شریف، عرس، مزار، سجدہ تعظیمی، طواف قبر، زیارت، فاتحہ، دعوتِ میت

اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے العلماء ورثۃ الانبیاء "علما انبیا کے وارث ہیں" نیز ایک اور حدیث مذکور ہے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل "میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔"[۱] اسی طرح کی ایک حدیث حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف لطیف اصلاح معاشرہ کی عظیم شاہکار "مکاشفۃ القلوب" میں بھی نقل کیا ہے۔ "سب لوگوں سے افضل وہ مومن عالم ہے کہ جب اس کی طرف رجوع کیا جائے تو وہ نفع دے اور جب اس سے بے نیازی برتی جائے تو وہ بھی بے نیاز ہو جائے، پورے قبیلے کی موت ایک عالم کی موت سے زیادہ آسان ہے۔"[۲]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علما انبیا کی کس چیز کے وارث ہیں اور وہ کون سی دولت ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک تقسیم ہوتی چلی آرہی ہے مگر ختم ہونا نہیں جانتی اور قیامت تک تقسیم ہوتی رہے گی مگر ختم نہ ہوگی۔ حضور ﷺ کی میراث کے سلسلے میں وارد ہے کہ آپ ﷺ کی میراث کو تقسیم کیا جائے گا، تو مسلّم حدیث کے ماہرین یعنی محدثین نے مذکورہ حدیث کی تشریح میں فرمایا کہ علماءِ کرام انبیا کی دولت علم کے وارث ہیں اور جو دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں تو سوال پیدا ہوا کہ رسول گرامی وقار ﷺ کی امت کے علما کس چیز میں بنی اسرائیل کے انبیا کی طرح ہیں تو اس کا جواب محدثین کرام نے یہ دیا کہ جس طرح انبیا بنی اسرائیل ہر ملک ہر شہر ہر قریہ ہر قبیلہ اور ہر بستی کی طرف نبی بن کر اللہ کی طرف سے تشریف لاتے رہے اور ان کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور راہ ہدایت سے گم گشتہ لوگوں کی رہنمائی فرماتے رہے۔ اور ان کو اپنی تعلیمات کے ذریعے ہر عیب وبرائی سے پاک کرکے ایک بہترین مذہبی اور معاشرتی انسان بناتے رہے جو انبیاء کی آمد کا مقصد حقیقی تھا۔

لیکن اب جبکہ نبوت ورسالت کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے رسول محترم ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اب آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں پیدا ہوگا تو اب ایسی صورت میں اصلاح قوم کا کام امت کے علماءِ کرام ہی انجام دیں گے۔ اور جس جگہ بھی وہ جلوہ فگن ہوں گے وہاں کے لوگوں کو تبلیغ وتنذیر کے ذریعے ہر عیب و برائی سے پاک کرکے ان کی قوت ایمانی کو جلاو توانائی بخشتے رہیں گے اور ان کو ایک

بہترین وخوشگوار زندگی گزارنے کے لیے آپس میں حسنِ سلوک، حسنِ معاشرت، ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کی تلقین کرتے رہیں گے اس طرح سماج میں پیدا شدہ ہر عیب و برائی کی بیخ کنی کر کے ایک بہتر صاف ستھرا سماج و معاشرہ عطا فرمائیں گے جو منصب وراثت نبوت کا اہم فریضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنے بھی انبیاءِ کرام و رُسُل عظام تشریف لاتے رہے ان کی بنیادی تعلیمات کے دو اہم پہلو تھے ایک تو مذہب اسلام سے ہم کنار کرنا، دوسرے معاشرے کی اصلاح کرنا۔ اس طرح جب ہم رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ کی سیرت میں یہ دونوں باتیں نمایاں طور سے ملتی ہیں۔ چنانچہ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ دو صحابیہ تھیں جن میں ایک رات کو نماز پڑھا کرتیں، دن کو روزے رکھتیں، صدقہ و خیرات بھی کرتیں مگر زبان کی تیز تھیں، زبان سے پڑوسیوں کو ستاتی تھیں۔ لوگوں نے ان کا حال آپ ﷺ سے عرض کیا تو فرمایا ان میں کوئی نیکی نہیں ان کو دوزخ کی سزا ملے گی۔ پھر صحابہ نے دوسری کا حال سنایا جو نماز پڑھ لیتیں اور معمولی صدقہ دے لیتیں مگر کسی کو ستاتی نہ تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بی بی جنتی ہوگی۔[۳] اس حدیث سے اس بات کا درس ملتا ہے کہ اپنے کسی ہمسائے کو تکلیف دینا مذہبی اخلاقی اور سماجی نقطۂ نظر سے بڑی نازیبا حرکت ہے اور عند اللہ عذابِ نار کا سبب اور ہمسائے کی دلجوئی اس کے دکھ درد میں شریک ہونا تخلیق انسانی کا اولین فریضہ اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کا سبب۔

اللہ کے پیارے رسول ﷺ کا یہ فرمان کہ "سب لوگوں میں افضل وہ مومن عالم ہے کہ جب اس کی طرف رجوع کیا جائے تو وہ نفع دے اور جب اس سے بے نیازی برتی جائے تو وہ بھی بے نیاز ہو جائے۔" (حدیث)

یقیناً سرکار ﷺ کا یہ ارشاد گرامی علما کی پرکھ کے سلسلے میں ایک معیار ہے۔ جو اس فرمانِ مقدس پر پورا اترے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک وہی عالم ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ یقیناً عالم نہیں۔ اب اسی حدیث کی روشنی میں چودھویں صدی کے مجدد حضور اعلیٰ حضرت الشاہ مولانا احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو پرکھیں تو بلا شبہ آپ حق گوئی کا جو معیار موصوف کے یہاں

پائیں گے۔ دوسرے کے یہاں شاذو نادر ہی ملے گا۔ اگر چہ بہت سے لوگوں نے اپنے آپ کو بڑے اونچے اونچے القاب و آداب سے جوڑنے کی سعیِ ناکام کی ہے۔ مثلاً حکیم الامت، شیخ الاسلام والمسلمین، محدث، مفسرِ اعظم، فقیہِ عصر، مجددِ وقت وغیرہ وغیرہ۔ مگر امامِ اہلسنت الشاہ مولانا احمد رضا بریلوی کی حق گوئی کا یہ عالم ہے کہ غلط بات چاہے اپنا کہے یا غیر، اپنا ہے تو اس کے لئے بھی وہی حکم ہے اور اگر بیگانہ ہے تو اس کے لئے بھی وہی حکم۔ اسی سلسلے میں آپ کی تصنیفات سے چند ایسے اقتباسات نقل کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جس سے حقائق کا انکشاف ہو گا اور آپ کی سچی تصویر کھل کر سامنے آجائے گی۔

کون نہیں جانتا ہے کہ میلاد کے سلسلے میں مولانا احمد رضا بریلوی کا نظریہ کیا ہے مگر اپنے نظریات پر قائم رہ کر آپ نے اس کے خلاف پر اس بات کے سخت مذمت کی ہے جو قرآن وسنت کے معارض ہو۔ حتیٰ کہ بعض معاندین آپ کو میلاد خوان مولوی ہی کہتے ہیں۔ مگر میں ان معاندین کو دعوت فکر دینا چاہتا ہوں جن کے پاس عقل سلیم ہے۔ ان کو سب سے پہلے مولانا احمد رضا بریلوی کے لٹریچر کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد پھر فیصلہ کرنا چاہیے۔ یوں تو میلاد کی بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں مگر ان سب کتابوں میں سب سے زیادہ شہرت واہمیت کی حامل ''میلادِ گوہر'' اور ''میلادِ اکبر'' ہیں۔ میلاد سے متعلق ایک روایت کے بارے میں فاضلِ بریلوی کی حق گوئی و حق بیانی ملاحظہ فرمائیں۔ ایک مرتبہ کسی صاحب نے میلادِ گوہر سے متعلق اس روایت کے بارے میں پوچھا:

سوال: شبِ معراج جب براق حاضر کیا گیا تو حضور ﷺ آبدیدہ ہوئے۔ جبریل نے سبب پوچھا فرمایا آج میں براق پر جا رہا ہوں۔ کل قیامت کے دن میری امت برہنہ پا پل صراط کی راہ طے کرے گی یہ تقاضائے محبت و شفقت کے موافق نہیں۔ ارشاد باری ہوا یوں ہی ایک ایک براق بروز حشر تمہارے ہر امتی کی قبر پر بھیجیں گے۔ یہ روایت صحیح ہے کہ نہیں؟

ارشاد: بالکل بے اصل ہے ایسی ہی بہت سی روایات بالکل بے اصل اور بے ہُودہ ہیں۔[۴]

یہ روایت ''امام احمد رضا نمبر'' میں اجمالی طور سے نقل کی گئی ہے مگر اس کی تفصیل ''میلاد گوہر'' کے ص ۲۸ ناشر محمد عادل اینڈ سنز سیلر رامپور (یوپی) میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایک اور روایت میلادِ گوہر کی ملاحظہ ہو:

سوال: یہ صحیح ہے کہ شب معراج مبارک جب حضور اقدس ﷺ عرش بریں پر پہنچے نعلین پاک اتارنا چاہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایمن میں نعلین شریف اتارنے کا حکم ہوا تھا۔ فوراً غیب سے ندا آئی اے حبیب تمہارے مع نعلین شریف رونق افروز ہونے سے عرش کی زینت و عزت زیادہ ہوگی۔
ارشاد: یہ روایت محض باطل و موضوع ہے۔۵؎

اس روایت کی تفصیل بھی ''میلاد گوہر'' کے ص ۷۹ / ۸۰ میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ فاضل بریلوی کی حق گوئی کا کیا عالم ہے آپ نے اس کا کوئی لحاظ نہیں کیا کہ یہ بات کس کے منھ سے نکلی ہے اس کا قائل کون ہے؟ اپنا ہے کہ بے گانہ۔ جب بھی آپ سے کسی طرح کے بھی امور میں رجوع کیا گیا تو آپ نے کسی کا کوئی لحاظ نہ کرتے ہوئے شریعت کا اصلی حکم صادر فرما دیا۔

محدث بریلوی کی عبقریت، تبحرِ علمی اور جلالتِ علم کا یہ عالم ہے کہ آپ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق بے گناہ لوگوں کو نفع کثیر سے بہرہ مند کیا۔ نہ معلوم کتنے گمراہ اور گم گشتہ لوگوں کو راہ حق سجھائی۔ آپ سے جس نے بھی جس طرح کا بھی سوال کیا آپ نے اس کا شریعت کی روشنی مین معقول جواب مرحمت فرمایا اور بعض سوالوں کے جواب تو اتنی تفصیل سے دیے ہیں کہ مستقل ایک کتابی شکل اختیار کر گئی، جسے دیکھ کر وراثتِ علمِ نبوت کی سچی تصویر ہماری نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے۔ اسلامی معاشرے کے متعلق آپ نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے اور کس طرح اسلامی معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کی سعیِ پیہم کی ہے جس کا اندازہ آنے والے حوالوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح اسلامی معاشرے کی اصلاح کا تصور کسی دوسرے کے یہاں نہیں ملتا اگر امام احمد رضا محدث بریلوی کو اس صدی کا سب سے بڑا سماج سدھارک کہا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ یہ بات مسلمات سے ہے کہ ہر دور میں معاشرے اور سماج میں کچھ غلط رسمیں رواج پا جاتی ہیں۔ ان کے خلاف آواز اور قلم اٹھانا ان کے خاتمے کے لیے جدوجہد کرنا ایک مومن عالم کی اولین ذمّے داری ہے؛ اس لیے کہ اس کے سر پر نبی کی وراثت کا تاج ہے اب میں ان باتوں کو ضروری خیال کرتا ہوں جن کو بنیاد بنا کر حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کو بدنام کیا گیا ہے اور ان پر کافر، مشرک، بدعتی، جیسے قبیح الفاظ سے وار کیا گیا ہے؛ مگر جن کو اللہ نے عقلِ سلیم عطا کی ہے اور جو لوگ دیانت دار ہیں اور بغض و عناد سے قطع نظر کسی شخصیت کا

مطالعہ کرتے ہیں تو ایسے لوگ قابل صد ستائش ہیں اور اسی طرح کا انداز دوسرے لوگوں کو بھی اختیار کرنا چاہیے، جس سے معاشرے سے برائیاں ختم ہوں اور آپس میں ایک دوسرے سے محبت پیدا ہو اور پورا سماج بھائی چارگی اور باہمی الفت و محبت کا گہوارہ ہو جائے۔

بزرگوں کے اعراس میں افعالِ شنیعہ

عرض:۔ حضور بزرگان دین کے اعراس میں جو افعال ناجائز ہوتے ہیں ان سے ان حضرات کو تکلیف ہوتی ہے؟

ارشاد:۔ بلاشبہ اور یہی وجہ ہے کہ ان حضرات نے بھی توجہ کم فرمادی ورنہ پہلے جس قدر فیوض عطا کرتے تھے وہ اب کہاں۔ ۵؎

عرض:۔ حضور اجمیر شریف خواجہ صاحب کے مزار پر عورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ۔غنیہ میں ہے یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزار پر جانا جائز ہے یا نہیں؛ بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر قبر کی جانب سے، جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں سوائے روضہ انور کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں؛ وہاں کی حاضری البتہ سنّتِ جلیلہ عظیم قریب الواجبات ہے؛ قرآن عظیم نے اسے مغفرتِ ذنوب کا تریاق بتایا ہے۔ ٦؎

طواف قبر اور بوسہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیاء کرام اور طواف کرنا گرد قبر اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بوسۂ قبر میں علما کو اختلاف ہے۔ اور احوط منع ہے، خصوصاً مزاراتِ طیبۂ اولیائے کرام ہمارے علمانے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ فاصلے سے کھڑا ہو یہی ادب ہے پھر تفصیل کیوں کر مقصود ہے؟ یہ وہ ہے جس کا فتویٰ عوام کو دیا جاتا ہے اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے لکل مقام و لکل مقال و جال و لکل رجال مجال و لکل مجال منال نسئال اللہ حسن المال۔ ۷؎

آدابِ زیارتِ روضۂ انور ﷺ

خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلافِ ادب ہے، بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے زیادہ قریب نہ جاؤ۔ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا اپنے مواجۂ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہِ کریم اگرچہ ہر جگہ تمہاری طرف تھی یہاں خصوصیت اور اس درجے کے ساتھ ہے۔ والحمد للہ ۸؎

زیارت روضہ انور سید اطہر ﷺ کے وقت نہ دیوار کریم کو ہاتھ لگائے نہ چومے نہ اس سے چمٹے نہ طواف کرے نہ زمین چومے کہ یہ سب بدعت قبیحہ ہیں۔ بوسہ میں اختلاف ہے اور چومنا چمٹنا اس کے مثل اور احوط منع اور علت خلاف ادب ہونا "شرح لباب" میں ہے۔ رہا مزار کو سجدہ تو وہ قطعی حرام ہے تو زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکا نہ کھائے بلکہ علماءِ باعمل کی پیروی کرے۔ ۹

اس مقام پر دوٹوک بات کہہ کر گزرنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ امام احمد رضا محدث بریلوی کو بدعتی اور قبر پوجوا وغیرہ الفاظِ شنیعہ سے مطعون کرتے ہیں ان کو موصوف کی اس تحریر سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا چاہیے آپ سوچیں کہ کسی کے عقائد و نظریات اس سے زیادہ کیا مہرین ہوں گے۔ آپ نے قبر کی زیارت کے سلسلے میں اپنا موقف صاف اور واضح کر دیا ہے اور اس بات کی تنبیہہ فرمادی ہے کہ اس امر میں باعمل علما کے فعل کی پیروی کرنا چاہیے نہ کہ بے عمل عالم اور جاہل عوام کے افعال کی۔ اب اگر کسی جاہل کو قبر کا طواف یا بوسہ لیتے یا سجدہ کرتے دیکھ کر یہ خیال کرے کہ یہی امام احمد رضا محدث بریلوی کے عقائد اور ان کی تعلیمات ہیں تو یہ صرف نادانی و کور فہمی ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں اور یہ خیال و قیاص "قیاس مع الفارق" ہے جو باطل ہے۔

قبر پر چراغ جلانا

امام احمد رضا محدثِ بریلوی سے قبروں پر چراغ جلانے کے لئے پوچھا گیا تو اس کو بدعت اور مال کا ضیاع قرار دیا؛ البتہ اس صورت میں جائز قرار دیا کہ قبر مسجد میں ہو یا سر راہ ہو اور چراغ سے نمازیوں اور مسافروں کو فائدہ پہنچے۔ حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی کے نزدیک جو کام دینی فوائد اور دنیوی نفع سے خالی ہو وہ عبث و بیکار ہے اور عبث خود مکروہ ہے اور اس میں مال صرف کرنا اسراف اور اسراف حرام ہے۔ ۱۰

قبر پر لوبان اور اگربتی

قبر پر لوبان وغیرہ جلانے کے لئے دریافت کیا تو اس کو منع کیا اور اسراف و اضاعتِ مال قرار دیا اور لکھا کہ اس خوشبو کی میت صالح کو کوئی حاجت نہیں وہ اگربتی اور لوبان سے غنی ہے اور اگر حاضرین کے لیے فاتحہ خوانی ذکر و تلاوت کے وقت قبر سے قریب خالی زمین پر سلگائیں تو بہتر و مستحسن ہے۔ ۱۱ چادر ڈالنے کے

لئے دریافت کیا تو اس کو مشروط پر اس لئے جائز قرار دیا کہ عوام الناس ان کی طرف متوجہ ہو کر مستفیض ہوں اور وہ صرف ایک چادر جب پھٹ جائے تو دوسری نہ یہ کہ لا متناہی سلسلہ شروع کر دیا جائے؛ یہ چادر بہر حال ان کی نظر میں جائز نہیں۔ جب اس کا مصرف غربا کے لیے نہ ہو رسم کے طور پر چادر چڑھانے کو انہوں نے فضول قرار دیا ہے اور لکھا ہے جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روحِ مبارک کو ایصال ثواب کے لیے محتاج کو دیں۔ [۱۲]

بچوں کے سر پر اولیا کے نام کی چوٹی رکھنا

اور اگر وہ مقصود جو بعض جاہل عورتوں میں دستور ہے کہ بچے کے سر پر بعض اولیائے کرام کے نام کی چوٹی رکھتی ہیں اور اس کی کچھ میعاد تک کتنے ہی بار بچے کا سر منڈے وہ چوٹی بر قرار رکھتی ہیں پھر میعاد گزار کر مزار پر لے جا کر وہ بال اتارتی ہیں تو یہ ضرور محض بے اصل و بدعت ہے۔ [۱۳]

سوم چہلم وغیرہ کا کھانا اور ان کی رسوم

مسلمانوں میں فاتحہ، سوم، چہلم، برسی وغیرہ کا رواج عام ہے۔ مولانا بریلوی نے اس کی روح کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اس میں غیر ضروری لوازمات کو بے اصل اور متعین یوم کو آسانی و سہولت کے لئے جائز سمجھتے ہیں اور اس خیال کو غلط تصور کرتے ہیں کہ متعین دنوں ہی میں زیادہ ثواب ملتا ہے۔ اس طرح نیت کو ایصال ثواب کی روح تصور کرتے ہیں اور اس قسم کی رسم کو پسند نہیں کرتے کہ اہتمام کے ساتھ کھانا سامنے لا کر رکھا جائے ان کے نزدیک اس کو ضروری سمجھ کر کرنا جائز نہیں البتہ سامنے رکھنے میں مضائقہ بھی نہیں کہ ایصال کو فوراً بعد تقسیم کر دیا جائے میت کی فاتحہ و ایصال ثواب میں وہ غربا و مستحقین کو فوقیت دیتے ہیں اور اس کے خلاف ہیں کہ امیروں اور برادری کے لوگوں کو بلا کر اہتمام سے کھانا کھلایا جائے۔ [۱۴]

دعوتِ میت

میت کے گھر عورتوں اور مردوں کو جمع ہو کر کھانا پینا اور میت کے گھر کو زیر بار کرنے کے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے یہ رسالہ لکھا جلی الصوت لنھی الدعوت امام الموت۔ [۱۵]

بے پردگی

دور جدید کی بدعات میں عورتوں کا بے محابا گھومنا پھرنا نامحرموں کے سامنے آنا سب کے گھر جمع ہو کر کھانا پینا رہنا سہنا زیارت قبور کے لئے قبروں پر جانا اور نامحرم پیروں کو محرم سمجھ کر ان کے سامنے آنا عام ہے۔ مولانا بریلوی نے ان بدعات کی مخالفت کی۔ ایک سوال کے جواب میں کہ عورت اپنے محارم اور غیر محارم کے یہاں جاسکتی ہے؟ یہ رسالہ تصنیف کیا "مروج النجا لخروج النساء" ۱۶؎

مرد کو سونا، چاندی، پیتل، کانسہ وغیرہ کی انگوٹھی بٹن یا گھڑی پہننا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلے میں کہ سونے، چاندی، پیتل، کانسہ، وغیرہ کی انگوٹھی یا بٹن یا گھڑی کی زنجیر مرد کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: چاندی کی انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی مرد کو پہننا جائز ہے اور دو انگوٹھیاں یا کئی نگ کی ایک انگوٹھی یا ساڑھے چار ماشہ خواہ زائد چاندی کی اور سونے کانسے ' پیتل ' لوہے ' تانبے کی مطلقاً جائز نہیں۔ گھڑی کی زنجیر سونے کی مرد کو حرام اور دھاتوں کی بنی ممنوع ہے اور چیز ممنوع کی گئی ہے ان کو پہن کر نماز اور امامت مکروہ تحریمی ہیں۔ ۱۷؎

مزارات پر فاتحہ

سوال: مزارات پر فاتحہ کس طرح پڑھی جائے؟

الجواب: مزارات شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر مواجہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز میں باادب سلام کرے السلام علیک یا سیدی رحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف تین بار، سورہ یٰسین اور سورہ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے الٰہی اس قرات پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے مری طرف سے اس بندۂ مقبول کو نذر پہنچا۔ پھر اپنا جو مطلب ہو جائز شرعی ہو اس کے لئے دعا کرے اور صاحب مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے پھر اس طرح سلام کر کے واپس ہو مزار کو ہاتھ نہ لگائے، نہ بوسہ دے؛ اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔ ۱۸؎

اس مقالے کے شروع میں میں نے چند ایسے گوشوں کی وضاحت کی ہے، جن میں ہمارے حلقۂ اہل علم میں کچھ ایسی کتابیں مروج تھیں جن کے مضامین صرف توہمات پر مبنی تھے اور جن کا تعلق حقیقت سے دور کا بھی نہیں تھا اس طرح کی ایک کتاب "دلیل احسان" ہے جس کی ایک حکایت سے متعلق

حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی سے استفسار کیا گیا ہے تو آپ نے اس کا کس طرح ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور شریعت کے دامن کو داغ دار ہونے سے بچایا ہے کہ اس میں ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اب ایک حکایت بیان کرتا ہوں "دلیل الاحسان" مبطع مصطفائی لاہور تصنیف مولوی معنوی میاں عبد اللہ ملتان:

نقل است کہ روضہ پیغمبر ﷺ در مسجد مدینہ منورہ نشستہ بودند با تمامی اصحابان صغار و کبار وعظ و حدیث شریف بیان می فرمودند کہ وحی جبریل علیہ السلام در خدمت پیغمبر ﷺ در آمد پیغمبر ﷺ از سبب بیان حدیث و وعظ بطرف وحی علیہ السلام متوجہ شدندو وحی علیہ السلام دردل خود وسوسہ و کدورت بسیار در خاطر کردند گفت عجب است کہ کلا زبانی از جانب باری تعالی بہ آنحضرت می رسانم الحال من التفات نہ کردند بمون وقت حضرت راازروے کشف باطنی معلوم و مفہوم شہ کہ بخاطر جبریل علیہ السلام کدورت گزشت پس جبریل علیہ السلام رانزد خود طلبیدہ پرسید کہ اے اخی جبریل کلام زبانی از کدام مقام بگوش می رسد گفت یا رسول اللہ بالائے عرش یک قبۂ نواست بمثل حجرہ دراں جایک سوراخ است ازانجا بگوش من آوازی رسد حضرت رسول علیہ السلام فرمودہ باز نزد آں قبہ برواذاں جاخبر گرفتہ زود عن برساں لکن اندرون قبہ لرزی چوں ہتر جبریل علیہ السلام بموجب فرمودہ رسول اللہ ﷺ باز رفت و اندروں آمد چہ بیند کہ اندرون قبہ نور محمد ﷺ است و حضرت خود نشستہ اند و الحال مہتر جبریل علیہ السلام بازہ جلدی پرواز فرمودہ بر زمین ودرود نمد چہ بیند کہ رسول خدا ﷺ درھمون مکان باصاباں در حدیث وعظ مشغول اند جبریل علیہ اسلام از معاینۂ این حال بماند و حیران گشت و شرمناک شدہ گفت اے خدایا از من خدا شدہ مارا معاف فرمایند۔

(اردو ترجمہ) منقول ہے کہ ایک دن پیغمبر ﷺ مدینہ منورہ کی مسجد میں بیٹھے تھے اور اپنے تمام چھوٹے بڑے صحابہ کرام سے وعظ حدیث کر رہے تھے حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پیغمبر ﷺ حدیث و وعظ بیان کرنے کی وجہ سے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ جبریل نے اپنے دل میں بہت زیادہ وسوسہ اور کدورت محسوس کی اور فرمایا کہ تعجب ہے کہ کلام ربانی کو باری تعالی کی طرف سے حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تا ہوں اور آپ کا حال یہ ہے کہ میری طرف ملتفت نہیں ہوتے۔ اسی وقت حضور ﷺ کو بذریعہ کشفِ باطنی معلوم ہوا کی حضرت جبریل علیہ السلام کے دل میں کدورت پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل کو پاس بلا کر پوچھا برادرم جبرئیل کلام ربانی کس مقام سے پہنچتا ہے ۔عرض کیا یا رسول اللہ عرش کے اوپر ایک نور کا قبہ ہے حجرے کی طرح اور اسی جگہ ایک سوراخ ہے اسی جگہ سے میرے کانوں میں آواز پہنچتی ہے حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا: دوبارہ اس قبہ کے پاس جایئے اور اس جگہ کا جائزہ لے کر جلد مجھ کو بتایئے؛ لیکن قبہ کے اندر نہ جایئے گا جب حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور کے فرمان کے مطابق واپس گئے اور قبہ کے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبہ کے اندر حضور کا نور ہے اور حضور خود تشریف فرما ہیں۔ حاصل کلام جبرئیل السلام پھر فوراً زمین پر تشریف لائے کیا دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام اسی جگہ اپنے صحابہ کرام سے حدیث و وعظ میں مشغول ہیں۔ جبریل علیہ اسلام اس واقعہ سے تعجب میں پڑ گئے اور بہت نادم و شرمندہ ہوئے۔ عرض کیا اے اللہ تعالیٰ مجھ سے غلطی ہو گئی؛ معاف فرمایئے۔

اب عرض یہ ہے کہ یہ نقل اہلسنت والجماعت کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں اور اس عریضہ کے لائق حضرت رسول خدا ﷺ ہیں یا نہیں اور حضرت رسول خدا ﷺ کو تعظیم دینا ثواب عظیم ہے اور آپ کے رسالہ "تمہید ایمان بآیات قرآن" کے صفحہ ۴ میں حدیث: تمہارے پیارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کے ماں باپ اور اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں گا ﷺ حدیث صحیح بخاری صحیح مسلم میں انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے اس نے تو بات صاف فرمادی کی جو حضور اقدس ﷺ سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے گا ہرگز مسلمان نہیں۔ اگر کوئی یہ بھی سوال کرے کہ علم غیب ذات انھی کے سوا کسی کو نہیں تو علم غیب حضرت ﷺ اولین و آخرین کا ہے یہ ثبوت آپ کا رسالہ "انباءَ المصطفیٰ بحال سر و اخفا" میں بدلیل قاہرہ ثابت کیا گیا ہے کہ از روز اول تا آخر تمام ماکان و مایکون اللہ تعالیٰ کی دین سے حضور سید کائنات و باعث ایجادات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات پر روشن ہیں۔

الجواب: لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اشہد ان لا الٰہ الااللہ وحدہ لاشریک لہ واشہد ان محمداًعبدہ ورسولہ عزجلالہ وعلیہ افضل الصلوٰۃ والسلام؛ بے شک رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدار ایمان ہے جو ان کی تعظیم نہ کرے کافر ہے۔ بے شک رسول اللہ ﷺ کی محبت عین ایمان ہے جسے حضور پر نور ﷺ تمام جہان سے زیادہ پیارے نہ ہوں مسلمان نہیں۔ حضور اقدس ﷺ کی محبت اتباع حق میں ہے، معاذاللہ ان پر افترا کرنا گویا دشمنی ہے۔ بے شک حضور اقدس ﷺ کو ان کے رب عزوجل نے تمام ماکان و مایکون کے ذرے ذرے کا علم محیط اور اس سے کروڑوں درجے اور زیادہ علم عطا فرمایا؛ مگر یہاں اس کی بحث نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو جبریل امین کے قلب پر کیسے اطلاع ہوگی بلکہ بحث اس کے معنیٰ کی ہے جو اس حکایت سے نکلتے ہیں اس کے ظاہر سے جو عوام جہال کے خیال میں آئے وہ تو صاف صاف حضور اقدس ﷺ کو معاذ اللہ خدا کہنا ہے، اس کی کفر صریح ہونے میں شک کیا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ہزاروں طرح جس کا انسداد فرمایا ہے۔ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت ان کے کمالات دیکھ کر حد سے گزری اور ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ کر کافر ہوئی۔ ہمارے حضور سید یوم النشور ﷺ کے کمالات اعلیٰ کے برابر کس کے کمال ہو سکتے ہیں جس کے کمال ہیں سب حضور ہی کے کمال کے پرتو جلال ہیں امام بوصیری قدس سرہ کے ہمزیہ شریف میں ہے:

انما مثلوا صفاتك للناس ـــ كما مثل النجوم الماء

یعنی تمام کمالات والے حضور کی صفتوں کا عکس و پرتو دکھاتے ہیں جیسے پانی میں ستاروں کا عکس نظر آتا ہے، اے عزیز کیا ستارے اور کیسے سیارے چشم حقیقت کا یہاں ہر شان سے الوہیت کے جلوے نظر آتے ہیں کہ آئینہ ذات مع جملہ صفات ان میں متجلی ہے من رانی فقد رائی الحق جس نے مجھے دیکھا بے شک اس نے حق دیکھا تو ان تجلیوں کے سامنے کون تھا کہ ھذا ربی ھذا اکبر نہ بول اٹھا؛ لہٰذا حضور اقدس ﷺ بالمومنین روف الرحیم نے اپنی امت کے حفظ ایمان کے لئے ہر آن، ہر ادا سے ایسی عبدیت اور اپنے رب کی الوہیت ظاہر فرمادی۔ کلمۂ شہادت میں رسولہ سے پہلے عبدہ رکھا کہ اس کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ وہابیوں کہ جاہلوں سے بدتر جاہل اور ایسے مقام پر جہاں مسلمان کی تکفیر ہو جان بوجھ کر متجاہل ہیں وہ تو اس حکایت کے یہی معنیٰ لیں کہ قرآن

خود حضور کا کلام ہے۔ فوق العرش وہی خدا ہیں اور زمین پر محمد، جیسے بعض جھوٹے زندیق بے دین کیا کرتے ہیں یہ صریح کفر کی غلیظ میں سننا اور نصرانی سے بدتر نصرانی بننا ہے جو اس کا مقصد ہو بلکہ جو اسے جائز ہی رکھے یقینا کافر مرتد ہے۔ اس کی موت وحیات میں تمام وہی احکام ہیں جو مرتدین ملعونین پر ہیں اور جب یہ حکایت کے معنیٰ قرار دے لئے تو اس کے کاتب پر آپ ہی حکم کفر جڑیں گے مگر اہل علم و ادارک جانتے ہیں وہ اس سے یہ مطلب سمجھیں گے کہ فوق العرش قبہ نور میں حقیقت محمد علی صاحبھا افضل الصلواۃ والتحیتہ جلوہ فرما ہے اور از انجام تمام عالم پر فیوض اسی کی ذات سے ہیں۔ انما انا قاسم واللہ معطی دینے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں اور نزول وحی بھی ایک فیض جلیل ہے تو یہ بھی بارگاہِ الوہیت سے ابتداءً حقیقت محمد یہ ﷺ پہ نازل ہوتا ہے اور وہ حقیقت کریمہ کہ قبہ نور بالائے عرش میں ہے جبریل امین علیہ السلام پر القا فرماتی ہے جبریل امین ذات محمدی ﷺ کو کہ زمین پر جلوہ افروز ہے پہنچاتے ہیں یہ معنیٰ کسی طرح معاذ اللہ کفر کیا ضال بھی نہیں؛ البتہ یہ واقعہ صرف بے ثبوت ہی نہیں، بلکہ حقیقتاً غلط ہے محال ہے کہ جبریل امین علیہ السلام وحی لائیں اور حضور ﷺ التفات نہ فرمائیں۔ شوق وحی میں حضور اقدس ﷺ کا یہ حال تھا کہ کچھ دنوں رک گئی تھی۔ تو پہاڑوں پر تشریف لے جاتے جبریل امین فوراً حاضر ہوتے اور عرض کرتے واللہ حضور اللہ کے رسول ہیں یعنی بیشک وہ حضور کو ضائع نہ چھوڑے گا وحی آئے گی اور ضرور آئے گی رواہ البخاری عن ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنھا یہ شوق ذات محمدی علیہ افضل ہے اور وہ ذات ہی یہاں مشغول وعظ و ہدایت انام ہے تو وحی کی طرف اس کا متوجہ نہ ہونا کیونکر معقول۔ نہ ہرگز القائے حقیقت کے سبب استغنائے ذات لازم حضور اقدس ﷺ کو حفظِ وحی میں کس درجہ کوشش بلیغ تھی جبریل امین علیہ الصلواۃ والسلام کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے کہ کوئی حرف ضبط سے نہ رہ جائے جس پر اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه و قرانه جلدی کے لئے ختم وحی سے پہلے قرآن عظیم پڑھنے میں اپنی زبان کو جنبش نہ دو بے شک ہمارے ذمے ہے تمہارے سینہ پاک میں اسے جمع کرنا اور تمہارا اسے پڑھنا۔ پھر کون سے حدیث و وعظ ہیں جو وحی الٰہی سے اہم ہیں؛ (بلاشبہ) جبار ذوی الاقتدار اپنے مقرب وزیر اعظم کے پاس اپنے پیام و احکام لے کر بھیجے اور وزیر اعظم اس وقت رعایا سے بات میں مشغول رہے فرمان سلطان کی طرف التفات نہ کرے، اس میں معاذ اللہ فرمان کو گویا ہلکا جاننے کا پہلو نکلتا ہے۔ جو یہاں محال قطعی ہے۔ بالجملہ رسول اللہ ﷺ باعتبار حقیقت محمد یہ علیہ افضل الصلواۃ والتحیتہ، جس طور پر ہم نے تقریر کی اس سے بدر جہاز اید تعریف وثنا کے لائق ہیں مگر یہ واقعہ غلط بالکل باطل ہے بغیر رد کے اس کا بیان حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ ضروری: سوال جو عبارت "دلیل الاحسان" سے نقل کی اس میں اور خود عبارت سوال میں ﷺ کی جگہ "صلعم" لکھا ہوا ہے اور یہ سخت ناجائز ہے یہ بلا عوام تو عوام چودھویں صدی کے بڑے بڑے اکابر و فحول کہلانے والوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی صلعم لکھتا ہے کوئی "صللم"، کوئی فقط "ص" کوئی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدلے عم یا ءم۔ ایک ذرہ سیاہی یا انگلی کاغذ یا ایک سیکنڈ وقت بچانے کے لئے کیسی کیسی عظیم برکات سے دور پڑتے اور محرومی و بے نصیبی کا ڈنڈا پکڑتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں پہلا وہ شخص جس نے درود شریف کا ایسا اختصار کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔ علامہ سید طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں

فتاویٰ تاتار خانیہ سے منقول ہے من کتب علیہ السلام الھمذہ والمیم یکفونہ تخفیف الانبیاء کفر۔ یعنی کسی نبی کے نام پاک کے ساتھ درود یا سلام کا ایسا اختصار لکھنے والا کافر ہو جاتا ہے کہ یہ ہلکا کرنا ہوا اور معاملہ شان انبیا سے متعلق ہے اور انبیا علیہم الصلواۃ والسلام کی شان کا ہلکا کرنا کفر ہے۔ شک نہیں کہ اگر معاذ اللہ قصداً شان استخفاف ہو تو قطعاً کفر ہے حکم مذکورہ اسی صورت کے لیے ہے۔ یہ لوگ صرف کسل، کاہلی، نادانی، جاہلی سے ایسا کرتے ہیں، تو اس حکم کے مستحق نہیں مگر بے برکتی بے دولتی کم بختی زبوں قسمتی میں شک نہیں۔

قول ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ احد اللسانین قلم بھی ایک زبان ہے ﷺ کی جگہ مہمل بے معنیٰ صلعم لکھنا ایسا ہے کہ نام اقدس کے ساتھ درود شریف کے بدلے یوں ہیں کچھ الم گلم بکنا اللہ عزوجل فرماتا ہے: فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم فانزلنا علی الذین ظلموا رجزا من السماء بما کانو ایفسقون جس بات کا حکم ہوا تھا ظالموں نے اسے بدل کر اور کچھ کر لیا تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا بدلہ ان کے فسق کا۔ وہاں بنی اسرائیل کو فرمایا گیا تھا: قولوا حطتہ یوں کہو کہ ہمارے گناہ اترے انہوں نے کہا: حنطتہ یہ لفظ بامعنیٰ تو تھا اور اب بھی ایک نعمت الٰہی کا ذکر تھا یہاں حکم یہ ہوا ہے یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما اے ایمان والو اپنے نبی پر درود و سلام بھیجو اللھم صل وسلم وبارک علیہ وعلی اٰلہ وصحبہ ابدا اور یہ حکم وجوباً خواہ استحباباً ہر نام اقدس سننے یا زبان سے لینے یا قلم سے لکھنے میں تھی اسے بدل کر ص۔ ء۔ م کر لیا، جو کچھ معنیٰ ہی نہیں رکھتا، کیا اس پر نزول عذاب کا خوف نہیں کرتے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین یہ تو محل درود ہے جس کی عظمت اس حد پر ہے کہ اس کی شخصیت میں پہلو کفر موجود ہے اس سے اتر کر صحابہ واولیا رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے اسمائے طیبہ کے ساتھ رضی اللہ عنہ کی جگہ رض لکھنے کو علمائے کرام نے مکروہ باعث محرومی بتایا۔ سید علامہ طحطاوی فرماتے ہیں یکرہ الرمز بالترضی بالکتاب بۃ بل یکتب ذالک کلہ بکمالہ امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں ومن اغفل ھذا حرام خیرا عظیما و فوت فضلا جسیما جو اس سے غافل ہوا خیر عظیم سے محروم رہا اور بڑا فضل اس سے فوت ہوا والعیاذ باللہ تعالیٰ یوہیں قدس سرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جگہ "ق" یا "رح" لکھنا حماقت و حرمان برکت ہے۔ ایسی باتوں سے احتراز چاہیے؛ اللہ تعالیٰ توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچیں اور مذکورہ عبارت کا تعمق نظری سے مطالعہ کریں تو خود محسوس کریں گے کہ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اپنی پوری زندگی ایسا مثالی کارنامہ انجام دیا کہ جس کی نظیر ڈھونڈے سے نہیں ملتی؛ نیز اسی طرح کی ایک اور حکایت "فتاویٰ افریقہ" کے صفحہ ۱۶۳ پر دیکھی جاسکتی ہے آپ نے اس کا بھی اس طرح ناقدانہ جائز لیا اور بڑے حسن و خوبصورتی سے شریعت کا موقف واضح کیا ہے۔ الغرض امام احمد رضا نے اسلامی معاشرے کی اصلاح میں جو تاریخ ساز اور اہم کام انجام دیا وہ تاریخِ اسلام میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ بلاشبہ آپ عالمِ اسلام کے عظیم مجدد اور مصلح تھے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ سبع سنابل، میر عبد الواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی، ص ۱۱۔

۲۔ مکاشفۃ القلوب، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی، ص ۵۸۶۔

۳۔ مقالاتِ سیرت محمد میاں صدیقی، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، پاکستان، ص ۱۱۸۔

۴۔ امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ قاری، دہلی، ص ۱۷۰۔

۵۔ امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ قاری، دہلی، ص ۱۷۰۔

۶۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت، مولانا محمد فاروق القادری، بزم فیضان رضا، کرلا بمبئی، ص ۲۳۶۔

۷۔ فاضل بریلوی اور امورِ بدعت، مولانا محمد فاروق القادری، بزم فیضان رضا، کرلا بمبئی، ص ۲۰۹۔

۸۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت، مولانا محمد فاروق القادری، بزم فیضان رضا، کرلا بمبئی، ص ۲۲۳۔

۹۔ انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارت، امام احمد رضا بریلوی، احمد عمر صاحب قادری، ڈوسا، بمبئی، ص ۱۳۸۔

۱۰۔ فاضل بریلوی اور امور بدعت، مولانا محمد فاروق القادری، بزم فیضان رضا، کرلا بمبئی، ص ۱۹۳۔

۱۱۔ ہفت روزہ ہجوم (امام احمد رضا نمبر)، نئی دہلی، ص ۶۔

۱۲۔ ہفت روزہ ہجوم (امام احمد رضا نمبر)، نئی دہلی، ص ۶۔

۱۳۔ ہفت روزہ ہجوم (امام احمد رضا نمبر)، نئی دہلی، ص ۶۔

۱۴۔ فاضل بریلوی اور امورِ بدعت، مولانا فاروق القادری، بزم فیضان رضا، کرلا، بمبئی، ص ۲۴۳۔

۱۵۔ ہفت روزہ ہجوم (امام احمد رضا نمبر)، نئی دہلی، ص ۶۔

۱۶۔ ہفت روزہ ہجوم (امام احمد رضا نمبر)، نئی دہلی، ص ۶۔

۱۷۔ ہفت روزہ ہجوم (امام احمد رضا نمبر)، نئی دہلی، ص ۶۔

۱۸۔ فاضل بریلوی اور امورِ بدعت، مولانا فاروق القادری، بزم فیضان رضا، کرلا بمبئی، ص ۱۵۷۔

۱۹۔ فاضل بریلوی اور امورِ بدعت، مولانا فاروق القادری، بزم فیضان رضا، کرلا بمبئی، ص ۲۷۰۔

۲۰۔ فتاویٰ افریقہ، حضرت امام احمد رضا محدثِ بریلوی، کاشف بک ڈپو، دہلی، ص ۶۱۔۵۵۔

امام احمد رضا کا نظریۂ شخصیت

محمد مالک

الرضا اسلامک سینٹر، ڈیرہ غازی خان، پاکستان

Abstract: The concepts and concerns of Imam Ahmad Raza about personality formation are notable. According to his research, personality formation and development require unity of heart, soul and will, and if the balance is out, an abnormality would be the result. His research about heart's role in personality formation is outstanding. In this article, Raza's concept of personality formation in the light of psychology has been presented from biological, social and spiritual perspectives. His theory about child education and development, and his stated methods for training of emotions on scientific lines have been presented.

Keywords: pernality development, human, knowledge, will, heart, soul, gene, puberty, early education, psychology, social development, emotional training.

خلاصہ: امام احمد رضا کے تعمیرِ شخصیت سے متعلق افکار و نظریات اہمیت کے حامل ہیں۔ آپ کی تحقیق کے مطابق تعمیر شخصیت اور تشکیلِ ذات کے لیے نفس، قلب، روح میں نظم وضبط اور وحدت کا ہونا ضروری ہے اور اگر یہ نظم وتوازن نہ رہے تو شخصیت کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے۔ آپ نے تعمیرِ شخصیت کے ماڈل میں قلب سے متعلق فکر انگیز تحقیق فرمائی ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں آپ کے نظریۂ شخصیت کا نفسیات کی روشنی میں حیاتیاتی، سماجی اور روحانی پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا ہے اور بچوں کی تعلیم وتربیت سے متعلق آپ کے نظریات نیز سائنسی خطوط پر جذبات کی عمومی تربیت کے لیے آپ کے بیان کردہ طریقے پیش کیے گئے ہیں۔

اہم الفاظ: تعمیرِ شخصیت، انسان، علم، نفس، قلب، روح، جین، بلوغت، ابتدائی تعلیم، نفسیات، معاشرتی نشوونما، جذباتی تربیت۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمتہ کے تعمیر شخصیت سے متعلق افکار و نظریات فتاویٰ رضویہ سے لے کر ملفوظات تک پھیلے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انسانی تعمیر سے متعلق گفتگو کا آغاز انسان کی تعریف سے کرتے ہیں۔

امام احمد رضا کے نزدیک انسان کی تعریف

امام احمد رضا نے ملفوظات میں انسان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے: ”حق یہ ہے کہ انسان روح متعلق بالبدن کا نام ہے اور روح امر رب سے ہے۔ اس کی معرفت بے معرفت رب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اولیا فرماتے ہیں من عرفہ نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے ضرور اپنے رب کو پہچان لیا۔ یعنی معرفت اس وقت ہو گی جب معرفتِ رب ہو لے۔“ ملفوظات، حصّۂ سوم، ص ۲۸۴ پر یوں فرماتے ہیں، ”آدمی تین قسم کے ہیں: (۱) مفید، وہ کے دوسروں کو فائدہ پہنچائے (۲) مستفید، وہ کہ جو دوسروں سے فائدہ حاصل کرے (۳) منفرد، وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو اور نہ دوسرے کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔“

امام احمد رضا کے نزدیک علم کی تعریف

امام احمد رضا علم کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”علم وہ نور ہے جو شے اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہو گئی اور یہ جس سے متعلق ہو گیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہو گئی۔““فلاسفہ نے جو کہا کہ علم صورت عند العقل کا نام ہے یہ غلط ہے۔ ان سفہا نے اصل و فروع میں فرق نہ کیا۔ علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے، نہ کہ حصولِ صورت سے علم۔“ آگے فرماتے ہیں: ”فلاسفہ اپنے علم کو نہ پہچان سکے تو علمِ الٰہی کو کیا جانیں گے۔“

تعمیرِ شخصیت کا ماڈل

اعلیٰ حضرت تعمیرِ شخصیت کا ماڈل بیان کرتے ہوئے ملفوظات، حصّۂ سوم، ص ۱۱۳ پر فرماتے ہیں:

اصل میں تین چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں: (۱) نفس (۲) روح (۳) قلب۔ روح بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور نفس و قلب اس کے دو وزیر ہیں۔ نفس (نفسِ امارہ) اس کو ہمیشہ شر کی طرف لے جاتا ہے اور قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرف بلاتا ہے اور معاذاللہ

کثرتِ معاصی اور خصوصاً کثرت بدعات سے اندھا کر دیا جاتا ہے۔ اب اس میں حق کے دیکھنے، سمجھنے غور کرنے کی قابلیت نہیں رہتی مگر ابھی حق سننے کی استعداد باقی رہتی ہے۔ اور پھر معاذ اللہ اندھا کر دیا جاتا ہے اب وہ نہ حق سن سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے بالکل چوپٹ ہو کر رہ جاتا ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں، "قلب حقیقۃً اس مضغۂ گوشت کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک لطیفۂ غیبیہ ہے جس کا مرکز یہ مضغۂ گوشت ہے سینے کے بائیں جانب اور نفس کا مرکز زیرِ ناف ہے۔"

موجودہ صدی میں اس مسلم ورلڈ کے عظیم رہبر کے فرمودات سے پتہ چلتا ہے کہ روح انسانی جسم میں ایک الگ اور منفرد حیثیت رکھتی ہے اور اپنی ذات کی شناخت اور اپنی ہستی کی آگہی کے حوالے سے ذہنی روشنی اور اخلاقی بلندی و سرفرازی سے متصف ہوتی ہے؛ لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ روح ایک لا فانی و لازوال حقیقت ہے، جسے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے تعمیر شخصیت کے ماڈل میں بمنزل بادشاہ بتایا ہے اور یہی انسای خود آگہی کا مرحلہ ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت ایک جگہ بیان فرماتے ہیں "من عرفہ نفسہ فقد عرف ربہ" یہاں نفس سے مراد روح (آگہی) ہے جو خالقِ حقیقی کی معرفت اور فطری محبت کی تلاش کے لیے تحریک کا کام کرتی ہے۔

تجربات و مشاہدات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعمیرِ شخصیت اور تشکیلِ ذات کے لیے ان تینوں (نفس، قلب، روح) میں نظم وضبط اور وحدت کا ہونا ضروری ہے اور اگر یہ نظم وتوازن نہ رہے تو وحدت بکھر جاتی ہے اور شخصیت کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے۔

نفس

اسلامی تشریح: اسلامی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو نفس کی تین اقسام ہیں: (۱) نفسِ امارہ (۲) نفسِ لوّامہ (۳) نفس مطمئنّہ۔ نفسِ امارہ اسے کہتے ہیں جو طبیعت عنصری اور عادات سفلی کی تاریکی میں پوری طرح گھرا ہوا ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ان النفس لا مارة بالسوء" (یوسف:۵۲) ترجمہ: بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے۔ معلوم ہوا نفسِ انسانی امّارہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "ومن یوق شح نفسہ فاولئك هم المفلحون" (طلاق) ترجمہ: جو اپنے نفس کے مرض سے محفوظ رہے

وہی فلاح پانے والے ہیں۔

جب ریاضت و مجاہدہ سے نفس پستی سے ابھرنا شروع ہوتا ہے تو نورِ ہدایت کی روشنی میں اسے ضلالت و گمراہی کا احساس ہونے لگتا ہے تو وہ گناہوں سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے اور احساسِ گناہ پر ملامت کا اظہار کرتا ہے اس وقت اسے نفسِ لوّامہ کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ "ولا اقسم بالنفس اللوامة" (القیمہ ۲۹) ترجمہ: اور اس جان کی قسم جو اپنے اوپر ملامت کرے۔ نفسِ لوّامہ ایک نفس کا نام ہے جو ہر شخص میں موجود ہے اور جو نفسِ امارہ کو ملامت کرتا ہے۔ اور جب یہ اخلاقیات، تہذیب و تمدن اور اصلاحِ احوال کے اعلیٰ مراتب پر پہنچ جاتا ہے تو اسے نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے: یا ایتھاالنفس المطئنة ارجعی الی ربك راضية مرضية فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر آیت۲۶) ترجمہ: اے اطمینان والے نفس اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی پھر میرے خاص بندوں میں داخل ہو اور میری جنّت میں آ۔ اور یہ قربِ الٰہی کا ذریعہ قرآن کی روشنی میں یوں حاصل ہوتا ہے۔ الابذ کراللہ تطمئن القلوب (الرعد ۲۷) ترجمہ: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔ (کنزالایمان)۔ خزائن العرفان (حاشیہ کنزالایمان) میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے: "اس کے رحمت و فضل اور اس کے احسان و کرم کو یاد کرکے بے قرار دلوں کو قرار و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔"

قلب

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تعمیرِ شخصیت کے ماڈل میں قلب سے متعلق فکر انگیز گفتگو فرمائی ہے۔ لہٰذا قلب کی مزید وضاحت ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تعمیرِ شخصیت سے متعلق اس کی اہمیت ابھر کر سامنے آسکے۔ لغوی اعتبار سے قلب کے معنٰی دل، خرد اور شکم کے خالص اور درمیانی حصہ کے ہیں۔ ایک تحقیق کے مطابق منازلِ قمر میں سے ایک منزل کا نام بھی قلب ہے، مگر اصطلاحِ تصوّف میں قلب ایک جوہرِ نورانی ہے جو مادہ سے مجرد اور روح و نفسِ انسانی کے مابین ایک درمیانی چیز ہے۔ چنانچہ تعمیرِ شخصیت اور تشکیلِ ذات کا دار و مدار اسی قلب پر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اللہ نور السموات والارض (الخ) اس

آیۂ کریمہ میں جسم کو مشکوٰۃ کے ساتھ، قلب کو زجاجہ کے ساتھ اور روح کو مصباح کے ساتھ اور نفس کو شجرۃ کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں قلبِ انسانی اللہ تعالیٰ کا ایک نور ہے جس کی ایک چمک تمام مخلوقات و موجودات کا خلاصہ ہے۔ اس کی ایک خاصیت یہ کہ لوٹ پوٹ کو جلد قبول کرتا ہے۔ صوفیائے کرام قلب کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ (قلب) اپنے محل اصلی کی طرف منقلب ہوتا ہے، دنیا سے آخرت کی طرف پھرتا ہے۔ مشہد اس کا خلقی سے حقی ہوجاتا ہے۔ قلب کے ایک معنیٰ یہ ہیں کہ وہ وجود کے حقائق کا آئینہ ہے کیونکہ عالم کے تغیرات قلب میں منعکس اور منطبع ہوتے رہتے ہیں۔ بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عالم قلب کا آئینہ ہے کیونکہ قلب اصل اور عالم اس کی فرع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ماوسعنی ارضی ولا سمائی و وسعنی قلب عبدی المومن۔

قلب میں اللہ تعالیٰ نے قوتِ ذاتیہ الٰہیہ سے وسعت فرمائی ہے یہ وسعت تین اقسام پر ہے: (۱)وسعتِ علمی (۲)وسعتِ مشاہدہ(۳) وسعتِ خلافت۔

وسعت علمی: یہ معرفتِ الٰہی ہے جس کی پہچان صرف قلب انسانی کر سکتا ہے۔

وسعت مشاہدہ: یہ ایک کشف ہے جس کے ذریعے سے صرف قلب جمالِ الٰہی ہی کی خوبیوں سے مطلع ہوتا ہے۔

وسعت خلافت: وسعت خلافت سے مراد اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے صفات میں وسعت ہے یہ محققین کی وسعت ہے یہ اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ذات میں ذات اور صفات میں صفات اور ہویت میں ہویت اور انیت میں انیت اس درجہ ڈوب جائے کہ عزیت کا حکم قطعاً مفقود ہو جائے۔

رضوی نظریۂ شخصیت کی جدید تشریح

اب ہم مفکرِ اسلام اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے نظریہ (نفس، روح، قلب) کا نفسیات کی روشنی میں درجِ ذیل پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں : شخصیت کا حیاتیاتی پہلو، شخصیت کا سماجی پہلو، شخصیت کا روحانی پہلو۔

شخصیت کا حیاتیاتی پہلو

اللہ تعالیٰ نے علم و عقل کے ساتھ انسان تخلیق کیا تاکہ یہ تسخیرِ کائنات کی راہ پر گامزن رہ کر مقصدِ حیات کو حاصل کر سکے۔ اس لیے ان کو فطرتِ سلیمہ پر پیدا کر کے تمام مخلوقات میں ممتاز فرمایا۔ جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ شخصیت حیاتیاتی پہلو کی ابتدا Zygote formation سے ہوتی ہے۔ جس کا ذکر متعدد قرآنی آیات میں موجود ہے۔ مثلاً سورۂ حجر آیت: ۲۸-۲۹۔

And remember when the Lord said to the angels, "I am going to create human clay scented with soft soil so when I have fashioned him, and when I have blown into him my spirit, then you must fall down before him." (Al-Hijr: 28, 29)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تخلیقی علم اندرونی طور پر متحرک افعال رہتا ہے اور منشائے الٰہی کے تحت وحدت اور نظم و ضبط کا پابند ہے۔

حیاتیاتی پہلو اور نفس

حیاتیاتی پہلو انسان کے ظاہری جسم، باطنی جسم اور اس کے نظاموں پر مشتمل ہے۔ ظاہری جسم سے مراد انسان کے عضویاتی ساخت و اعمال ہیں جن کا ہم مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ مثلاً شکل و صورت، عادات و کردار، باطنی جسم اور اس کے نظاموں سے مراد جسم کے اندرونی ساخت اور اعمال ہیں مثلاً وراثتی نظام، غدودوں کا نظام، دماغی نظام، نظامِ انہضام اور دیگر اندرونی اعضا کی کارکردگی جو انسان کے جسمانی و ذہنی اعمال و افعال کو متاثر کرتے ہیں۔ تجربات و مشاہدات سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ حیاتیاتی پہلو اگر راہِ اعتدال پر رہے یعنی انسان نفس پر قابو پالے تو انسان نارمل رہتا ہے۔ اگر نفس کا غلام بن جائے تو بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے نتیجتاً انسان کی سماجی اور روحانی پہلو کی نشو و نما کا عمل رک جائے گا، جس سے تعمیرِ شخصیت اور تکمیلِ ذات کا عمل متاثر ہو گا اور بالآخر جسمانی و نفسیاتی مسائل اور بیماریاں جنم لیں گی۔

شخصیت کا سماجی پہلو اور قلب

شخصیت کے سماجی پہلو کی ابتدا پیدائش ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب انسان اس وسیع دنیا میں آنکھ کھولتا ہے، سماج سے واسطہ پڑتا ہے، مختلف ماحول دیکھنے میں آتا ہے، نت نئے مشاہدات و تجربات ہوتے

رہتے ہیں اور یوں انسانی شخصیت کے سماجی پہلو کی نشو و نما تکمیلی مراحل سے گزرتی ہے اور انسان حیاتیاتی سالمیت کی طرح اپنے سماجی وجود کا تحفظ اور بقا چاہتا ہے۔ قلب شخصیت کے سماجی پہلو کا نمائندہ ہے۔ قلب اخلاقی اصولوں کی پاس داری، مہذب معاشرتی ضابطوں کی حفاظت اور نفس کو تہذیب و تمدن سکھاتا ہے اور اصلاحِ احوال کرتا ہے۔

قلب کا مثبت اور منفی پہلو

مفکرِ اسلام اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تعمیرِ شخصیت اور تکمیلِ ذات کا جو ماڈل پیش کیا ہے اس کی رو سے قلب کے دو پہلو ہو سکتے ہیں: (۱) قلب کا مثبت پہلو (۲) قلب کا منفی پہلو۔

قلب کا مثبت پہلو فرد کو نفس کے تسلط سے دور رکھتے ہوئے تعمیرِ شخصیت کے روحانی سانچے میں ڈھال لینا ہے، جس کے تحت فرد نفسیاتی جبلت و بہیمت سے بچ کر سماجی اور تہذیبی پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے اور یوں تکمیلِ ذات کے عمل کو آگے بڑھاتے ہوئے شخصیت کے نقطۂ کمال تک پہنچتا ہے اور صفاتِ باری تعالیٰ کا مظہر بن جاتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں :"قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرف بلاتا ہے۔" صوفیائے کرام کے نزدیک یہ مرحلہ تزکیۂ نفس اور صفائِ قلب کہلاتا ہے۔ قلب کا منفی پہلو فرد کو نفس کا غلام بنانے کی کوشش کرتا ہے یعنی نفس کے زیرِ اثر ہو جاتا ہے جس سے فرد کے سماجی اور روحانی پہلوؤں کی نشو نما رک جاتی ہے اور فرد تعمیرِ شخصیت، تکمیلِ ذات اور مقصدِ حیات حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ لہٰذا وہ بگاڑ کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں قلب جب تک صاف ہے خیر کی طرف بلاتا ہے اور معاذاللہ کثرتِ معاصی اور خصوصاً بدعات سے اندھا کر دیا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فی قلوبھم مرض جن کے دلوں میں بیماریاں ہے۔ صوفیائے کرام نے قلب کی تین بیماریوں کا ذکر کیا ہے، جن سے واقف ہونا انتہائی ضروری ہے: حدیثِ نفس، یعنی اپنے قصد و اختیار سے باتیں کرتے رہنا؛ خطرہ، یونہی بلا قصد دل میں باتوں کا گزرنا؛ نظر بہ غیر، جو اشیاء متکثرہ کے علم سے پیدا ہوتی ہیں۔

تعمیرِ شخصیت کا روحانی پہلو

تعمیرِ شخصیت کا روحانی پہلو ہی ذات اور مقصدِ حیات کے حصول کی سعی میں نمایاں اور مرکزی کردار کرتا ہے۔ یہ نفس اور قلب پر محتسب کی حیثیت سے مذہبی اور اخلاقی اقدار کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ فرد کو سچائی اور حقیقت کی راہ دکھاتا ہے اور یوں فرد تزکیۂ نفس اور صفائیِ قلب کے مراحل سے گزر کر روحانیت کے اعلیٰ مقام کو پالیتا ہے جسے صوفیائے کرام معرفتِ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔ "اصل میں تین چیزیں علیحدہ علیحدہ ہیں نفس، روح، قلب۔ روح بمنزلہ بادشاہ کے ہے اور نفس و قلب اس کے دو وزیر ہیں۔"

مزید انکشاف

جدید تجربات و مشاہدات کے مطابق بچہ کی نشوونما، تربیت اور تعمیر شخصیت کا نظام ماں کے پیٹ سے شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں اسے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱۔ ماں کے پیٹ کے اندر کی زندگی

۲۔ ماں کے پیٹ سے باہر کی زندگی

ماں کے پیٹ کے اندر کی زندگی: تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ حمل کے دوران ماں کو پیش آنے والے حادثات، ناخوشگوار واقعات اور اسی طرح پرسکون اور خوشگوار ماحول بچے کی نشوونما کو متاثر کرتے ہیں اور یہ عمل Zygote formation سے شروع ہو جاتا ہے۔ جدید ایمبریالوجی کے مطابق جنین کے دو مرحلے ہیں: پہلا مرحلہ (۳ہفتے تا ۸ ہفتے)Embryonic period کہلاتا ہے۔ دوسرا مرحلہ (تیسرے مہینے تا پیدائش) Fetal period کہلاتا ہے۔ اگر جدید ایمبریالوجی کو قرآنی آیت کی روشنی میں دیکھیں تو یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ انسانی جنین جب چار ماہ کا ہو جاتا ہے تو اس کے اعضاءِ حسّی کی نشوونما مکمل ہو جاتی ہے۔ ماہرین نفسیات تھامس ورنی اور انیتھونی ڈی کاسپر، نارتھ کیرولینا یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق جنین میں اس مرحلے پر روح پھونک دی جاتی ہے جسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ اپنی تصنیف "مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید" (۱۸۸۶ء) کے صفحہ ۱۷ پر تحریر فرماتے ہیں۔ الغرض جدید سائنس جس تحقیق کو

آج ثابت کر رہی ہے ۱۴۰۰ برس قبل قرآن اور صاحبِ قرآن نے واضح طور پر بتلا دیا تھا۔ جنین کے اعضائے حس چار مہینوں میں مکمل ہو جاتے ہیں اور یوں جنین میں شعور کا عمل شروع ہو جاتا ہے جو اس امر کی قوی شہادت ہے کہ جنین میں اس مرحلے پر روح پھونک دی گئی ہے۔

حدیثِ مبارکہ کی رو سے ۱۴۰۰ برس قبل اس حقیقت کا اشارہ یوں ملتا ہے: حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک تم میں سے ہر ایک آدمی کا نطفہ اس کی ماں کے پیٹ میں ۴۰ دن جمع رہتا ہے پھر ۴۰ دن میں لہو کی پھٹکی ہو جاتا ہے، پھر ۴۰ دن میں گوشت کی بوٹی بن جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتے کو بھیجتا ہے وہ اس میں روح پھونکتا ہے۔" (صحیح مسلم، باب القدر) الحاصل تمام حقائق جو قرآن و حدیث اور جدید سائنسی علوم سے ثابت و ظاہر ہیں اس حقیقت کی شہادت دیتے ہیں کہ روحِ انسانی کائنات کے تخلیقی عمل و نظام میں سب سے اعلیٰ وارفع ہے، جسے دنیائے اسلام کے عظیم رہبر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے مقامع الحدید کے ص ۱۶-۱۷ اور ملفوظات حصۂ سوم میں رقم فرمایا ہے۔ چونکہ روحِ امرِ ربی ہونے کے ناطے اللہ تعالیٰ کی روح سے متّصف ہے اس لیے غیر مادی ہونے کی وجہ سے جسمانی اور دنیاوی موت کے بعد بھی محفوظ اور برقرار رہتی ہے۔ مزید تفصیلات مصنف علام کی کتاب مسمّٰی بہ "حیات الموات" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

ماں کے پیٹ کے باہر کی زندگی

جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ بچوں کی نشوونما کا سلسلہ پیدائش سے شروع ہو جاتا ہے اور بلوغت تک جاری رہتا ہے، نشوونما ان تمام جسمانی، ذہنی، معاشرتی اور جذباتی تبدیلیوں کا باضابطہ مطالعہ ہے جو بچوں میں تجربوں، حادثوں اور تعلیم و تربیت وغیرہ کے نتیجے کے طور پر رونما ہوتے ہیں اور یوں بچوں کا تخیل، کردار اور شخصیت ان تغیرات سے متاثر ہوتا رہتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ تشکیلِ ذات اور تعمیرِ شخصیت میں ابتدائی بچپن کو بہت اہمیت حاصل ہے، جس کا آئندہ زندگی سے گہرا تعلق ہے۔

تعمیرِ شخصیت میں ابتدائی تعلیم و تربیت کی اہمیت

تشکیل ذات اور تعمیر شخصیت کے حوالے سے موجودہ صدی کے ماہر نفسیات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا

بریلوی علیہ الرحمتہ نے اپنی تصانیف میں نہایت جامعیت کے ساتھ بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت سے متعلق اپنے نظریات پیش کیے ہیں۔ اگر بنظرِ عمیق ان نظریات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ مغربی ماہرین نفسیات کے تناظر میں ممتاز نظر آئیں گے۔ چنانچہ فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، ص۴۶-۴۷ پر بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت سے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

زبان کھلتے ہی اللہ اللہ پھر پورا کلمہ سکھائے، جب تمیز آئے آداب سکھائے، کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ استاد اور دختر کو شوہر کے بھی اطاعت کے طرق و آداب بتائے، قرآنِ مجید پڑھائے۔ استاد نیک صالح، متقی صحیح العقیدہ سن رسیدہ کے سپرد کرے اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔ بعدِ ختمِ قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔ عقائد اسلام و سنّت سکھائے، لوحِ سادہ فطرتِ اسلامی قبولِ حق پر مخلوق ہے اس وقت کا بتایا ہوا پتھر کی لکیر ہو گا۔

تعمیر شخصیت کے حوالے سے قلب کے مثبت اور منفی پہلوؤں کی واضح نشان دہی کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ کی یہ تحریر ملاحظہ فرمائیے:

سات برس کی عمر سے زبانی تاکید شروع کر دے۔ علمِ دین خصوصاً وضو، غسل، نماز و روزہ کے مسائل، توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامتِ صدور و لسان وغیرہ خوبیوں کے فضائل۔۔۔ حرص و طمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

بچیوں کی نفسیات سے متعلق امام احمد رضا کی ایک فکر انگیز تحریر ملاحظہ ہو جو سیرت و شخصیت کی تعمیر میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ، جلدِ دہم میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:۔

پڑھانے سکھانے میں رفق و نرمی رکھے۔ موقع پر چشم نمائی تنبیہہ تہدید کرے، مگر ہرگز کوسنا نہ دے کہ اس وقت کا کوسنا ان کے لئے سبب اصلاح نہ ہو گا بلکہ اور زیادہ افساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے۔ اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے۔ کوڑا قمچی اس کے پیشِ نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے۔ زمانۂ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت نشاط پر باقی رہے مگر زنہار زنہار بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یار بد مار بد سے بد تر ہے نہ ہرگز ہرگز بہار دانش، مینا بازار، مثنوی غنیمت وغیرہ کتب عشقیہ و غزلیات فسقیہ دیکھنے دے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائے جھک جاتی ہے۔

مسلم ماہرِ نفسیات امام احمد رضا خان کی مندرجہ بالا تجربات و مشاہدات پر مبنی فکر انگیز تحریر بچوں کی معاشرتی نشو نما اور جذباتی نشو و نما سے متعلق ہے۔

بچوں کی معاشرتی نشوونما اور اس کے مدارج

ماہرین کی تحقیقات کے مطابق بچے کو معاشرتی بلوغت تک پہنچنے میں درج ذیل مختلف مدارج سے گزرنا پڑتا ہے: (۱) منفی معاشرتی مطابقت (۲) مجموعی معاشرتی مطابقت (۳) معاشرتی ارتباط (۴) معاشرتی فہم و فراست۔

۱۔ منفی معاشرتی مطابقت

منفی معاشرتی مطابقت سے مراد یہ ہے کہ شروع میں بچے کو یہ تربیت دینی پڑتی ہے کہ لوگوں کے ساتھ الجھنا اچھا نہیں۔ اسے دوسروں کو جسمانی یا ذہنی اذیت پہنچانے سے گریز کی عادت ڈالنی پڑتی ہے ورنہ معاشرتی ارتقا میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور تعمیرِ شخصیت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ والدین اور اساتذہ کو چاہیے کہ عمر کے مختلف مدارج میں بچوں کی نشوونما کی خاطر خواہ دیکھ بھال اور رہنمائی کریں۔

۲۔ مجموعی معاشرتی مطابقت

مجموعی معاشرتی مطابقت سے مراد یہ ہے کہ بچے کو معاشرتی رسم و رواج، نظم و ضبط اور آداب سے روشناس ہونا پڑتا ہے جس میں فکر و عمل کو بڑا دخل حاصل ہے۔

۳۔ معاشرتی ارتباط

معاشرتی ارتباط سے مراد یہ ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ جیسے بچے میں شعور و ادراک آتا جاتا ہے، اس میں معاشرتی ارتباط بڑھتا جاتا ہے اس میں دوسرے سے ملنے جلنے، ان سے متاثر ہونے، انہیں متاثر کرنے، جذبۂ رفاقت، محبت و اخوت، ہمدردی، تعاون اور قیادت وغیرہ کے احساسات اجاگر ہونے لگتے ہیں۔

۴۔ معاشرتی فہم و فراست

معاشرتی نشوونما ارتقا کا اہم ترین اور آخری مرحلہ فہم و فراست کی تخلیق ہے۔ یہ وہ مقام ہے جس میں فرد کو دوسروں کے کردار کو بخوبی سمجھنے، ان سے خوشگوار اور صحت مندانہ تعلقات استوار کرنے، معاشرے کے آئین و ضوابط کا اصل مفہوم اخذ کرنے اور معاشرے میں اپنے مقام کو سمجھنے کا سلیقہ آنے لگتا ہے۔

معاشرتی بلوغت کے اس بلند ترین مقام پر پہنچنے میں بچوں کو خاصی دیر لگتی ہے۔ بعض بچے معاشرتی بلوغت کے مراحل بہت جلد طے کر لیتے ہیں اور کئی بچے دیر سے۔ بعض بچے بلکہ کئی بالغ بھی اس مقام پر ساری عمر نہیں پہنچ پاتے۔

جذباتی نشو و نما اور جذباتی تربیت کے اصول

تعمیرِ سیرت و شخصیت کے لیے بچوں کی جذباتی نشو و نما اور جذباتی تربیت والدین اور اساتذہ کا اہم ترین فریضہ ہے۔ماہرین نفسیات بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمتہ نے سائنسی خطوط پر جذبات کی عمومی تربیت کے مندرجہ ذیل طریقے تجویز کیے ہیں:(۱)تصعید (۲)تنقیہ (۳)ضبط (۴)مصروفیت (۵)انحراف۔

۱۔ تصعید

کسی فطری رجحان کو اس کی فوری اور فطری جذبات کی غرض سے ہٹا کر کسی بہترین مقصد اور تعمیری سوچ کے تابع کرنے کو تصعید کہتے ہیں۔ اپنے نفسانی جذبات و خواہشات کو تخریبی عمل کی بجائے تعمیری اور مثبت صورت میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مذہب سے محبت، حب الوطنی، علوم و فنون سے لگاؤ وغیرہ۔ اس قسم کی تصعیدی تربیت بچوں کی جذباتی تربیت میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

۲۔ تنقیہ جذبات

کھولتے اور گھُٹے ہوئے جذبات کو دل سے باہر نکال کر ہلکا کرنے کو تنقیہ جذبات کہتے ہیں۔ مثلاً، ہنسی مزاق، لطیفہ گوئی، مصوری اور دیگر تعمیری تفریحی مشاغل کے ذریعے جذبات کی بھڑاس نکالنا۔ اندر ہی اندر کھولتے ہوئے جذبات بچوں کی ذہنی اور جسمانی نشو و نما کے لیے بہت مضر ہیں۔

۳۔ ضبطِ جذبات

معاشرتی تہذیب و تمدن اور سماجی پابندیوں کے پیشِ نظر بعض موقعوں پر جذبات پہ کنٹرول کرنا ضبطِ جذبات کہلاتا ہے۔ چنانچہ کامیاب اور متوازن زندگی کے لیے بچوں کو مناسب موقع پر ضبطِ جذبات سے کام لینے اور اپنے آپ کو قابو میں رکھنے کی تربیت دینا بھی ضروری ہے۔ تصوّف کی اصطلاح میں اسے

محاسبۂ نفس کہتے ہیں، جسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے کتاب "مقال العرفا" میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔

۴۔ مشاغل میں مصروفیت

مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ بے کار اور نکمّے آدمی کا ذہن شیطان کی آماج گاہ ہوتا ہے۔ اس لیے فراغت میں جذبات کو انتشار برپا کرنے کا سنہری موقع ہاتھ آتا ہے۔ چنانچہ جذباتی فساد کی زد سے بچنے کے لیے بچوں کو ہر لمحہ دلچسپ اور تعمیری مشغلے میں مصروف رکھنا ضروری ہے، تاکہ سیرت و کردار میں توازن قائم رہ سکے۔

۵۔ اشتعال انگیز محرکات سے انحراف

انحراف سے مراد بچوں کو جذبات برانگیختہ کرنے والے افراد، اشیا، محرکات، ماحول اور حوادث سے حتّی الوسع دور رکھا جائے، تاکہ جذباتی صحت برقرار رہ سکے۔ اشتعال انگیز محرکات سے انحراف کو مزید سمجھنے اور قارئین کے ذوق کے لیے مسلم ماہرِ نفسیات اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے بچپن کا قابلِ رشک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین سال کی عمر میں امام احمد رضا ایک نیچا کرتا پہنے ہوئے اپنے گھر سے باہر نکلے تھے کہ ایک گاڑی میں کچھ طوائفیں سامنے سے گزریں ان کا سامنا ہوتے ہی انہوں نے اپنے کرتے کے دامن سے اپنی آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔ طوائفیں طنزاً ہنسیں۔ ان میں سے ایک بولی واہ صاحبزادے آنکھوں کو چھپالیا اور ستر کھول دیا۔ دنیائے اسلام کے عظیم مفکر نے کم سنی میں فکر انگیز جواب دیا۔ فرمایا: "جب نظر بہکتی ہے، تب دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔" یہ جواب سن کر وہ طوائفیں سکتے میں آگئیں۔ اشتعال انگیز محرکات کی یہ انمول مثال مسلم امّہ کے لیے قابلِ فخر ہونے کے ساتھ تشکیلِ ذات اور تعمیرِ سیرت و شخصیت کے حوالے سے فکر دیتی ہے۔

الحاصل مسلم ماہرِ نفسیات امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ نے ایسا ذہنی انقلاب برپا کیا جس کی مثال نہیں ملتی وہ اتحادِ بین المسلمین کے داعی اور انسانیت کے محسن ہیں۔ انہوں نے تشکیلِ ذات اور تعمیرِ سیرت و

شخصیت کے حوالے سے ذہن کو واہموں اور بد عقیدگیوں کی دنیا سے نکالا اور انسان کو اسلامی افکار و تعلیمات پیش کرتے ہوئے عشقِ رسول ﷺ کے صدقے انسان کو مرتضیٰ بننے کا شرف بخشا۔

ماخذ و مراجع

۱۔ الملفوظ (ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی)، مرتب: مصطفیٰ رضا خاں۔

۲۔ فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، امام احمد رضا بریلوی۔

۳۔ مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید، امام احمد رضا۔

۴۔ حیات الموات فی بیان سماع الاموات، امام احمد رضا۔

۵۔ امام احمد رضا کا نظریہ تعلیم، محمد جلال الدین قادری۔

۶۔ سورۃ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت، ڈاکٹر محمد طاہر القادری۔

۷۔ سگمنڈ فرائیڈ۔ جدید نفسیات کا روحِ رواں، شاہدہ ارشد۔

۸۔ عمومی نفسیات، ٹی ایم یوسف۔

۹۔ جدید تعلیمی نفسیات، ڈاکٹر عبد الرؤف۔

۱۰۔ نفسیاتی مسائل اور جدید طریقۂ علاج، لیاقت علی۔

۱۱۔ ماورائے کائنات، محمد منیر۔

۱۲۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، امام احمد رضا۔

۱۳۔ حاشیہ کنز الایمان (خزائن العرفان)، سید نعیم الدین مراد آبادی۔

۱۴۔ کنز الایمان کا انگریزی ترجمہ، پروفیسر شاہ فرید الحق، ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی۔

۱۵۔ صحیح مسلم، باب القدر۔

۱۶۔ سر دلبراں، سید شاہ محمد ذوقی۔

۱۷۔ Robert E Silverman, Psychology۔

۱۸۔ Clifford. T. Mrogan, Introduction to Psychology۔

۱۹۔ Diane E. Paplia, Psychology۔

”العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ“ کی انفرادی خصوصیات

عبدالحکیم شرف قادری
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، پاکستان

Abstract: Imam Ahmad Raza had extraordinary expertise in Fiqh. His famous *Fatawa-e Razavia* shows that in his replies, he first considers the Holy Quran, then the Hadiths and the opinions of earlier experts to support his ruling. In this article, the expertise of Raza in Fiqh has been discussed with focus on the large number and the strength of his arguments, research on modern topics, analysis, abundance of citations, reconciliation among different opinions, ethics of writing rulings, Science, medical and the support to the hanafi fiqh. The article also focuses the visionary approach to many problems of Muslims and his popularity among the learned men and the masses of his time.

Keywords: Fiqh, Hadith, transmitted sciences, rational sciences, ruling, research of problems, modern transactions, Science, medical, ethics of rulings.

خلاصہ: امام احمد رضا کی فقہی مہارت میں کوئی دو رائے نہیں۔ فتاویٰ رضویہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسائل کے جواب میں پہلے قرآنِ پاک سے استدلال کرتے ہیں پھر احادیثِ مبارکہ اور اس کے بعد ائمۂ دین کے ارشادات سے اپنے موقف کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ پیشِ نظر مقالے میں امام احمد رضا کی فقہی مہارت کے جن عناصر کا جائزہ لیا گیا ہے ان میں عقلی اور نقلی دلائل کی فراوانی، فیضانِ رسالت، دلائل کی فراوانی، انتہاءِ تحقیق، مسائلِ جدیدہ کی تحقیق، تنقیحِ مسائل، مصادر و مراجع کی کثرت، متعارض اقوال میں تطبیق، نادر طریقِ استدلال، فتویٰ نویسی کے آداب، سائنس اور طب، مذہبِ حنفی کی تائید و حمایت شامل ہیں۔

اہم الفاظ: فقہ، حدیث، علومِ نقلیہ، علومِ عقلیہ، فتویٰ نویسی، تحقیق مسائل، جدید معاملات، سائنس، طب، رسم المفتی، اسماء الرجال۔

امام احمد رضا بریلوی قدّس سرّہ العزیز چودھویں صدی کے نادر روزگار عالم و فاضل اور یکتائے زمانہ فقیہہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں مہارتِ کاملہ عطا فرمائی تھی۔ انہیں نہ صرف اس دَور کے مروّج علومِ دینیہ میں پوری بصیرت حاصل تھی؛ بلکہ علمِ طب، علمِ جفر، تکسیر، زیجات، جبر و مقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری، علم ہیئت، علمِ توقیت اور مثلثِ کروی وغیرہ علوم میں بھی حیرت انگیز دسترس حاصل تھی۔ ایک فقیہہ اور مفتی کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب امام احمد رضا کو حاصل تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان علوم میں ان کی تصنیفی یادگاریں بھی موجود ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ\ ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف یوپی، انڈیا میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حیرت انگیز صلاحیتوں کی بدولت ۱۴ر رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ\ ۱۸۷۰ء کو پونے چودہ سال کی عمر میں اس دَور کے رائج علومِ دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والدِ ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خاں کی خدمت میں پیش کیا، جسے انہوں نے دیکھ کر کمالِ مسرّت کا اظہار کیا اور اسی دن فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کر دیا۔[۱] اس دن سے آخر عمر تک مسلسل یہ گراں قدر ذمّے داری ادا کرتے رہے۔ آپ کا وصال ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ\ ۱۹۲۱ء کو ہوا۔ اس طرح آپ کی فتویٰ نویسی کا عرصہ سنِ ہجری کے اعتبار سے چوّن (۵۴) سال بنتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کا قلم نصف صدی سے زیادہ عرصے تک چلتا رہا اور اس برق رفتاری سے چلا کہ دو دو، تین تین دن میں مبسوط فتاویٰ، رسائل کی صورت میں تیار ہوتے رہے، انہوں نے پچاس علوم و فنون میں تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار چھوڑیں، جن میں حدائقِ بخشش دو حصے (نعتیہ دیوان)، کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن، جد الممتار (درّ مختار کے حاشیۂ شامی پر پانچ جلدوں میں حاشیہ)، الدولۃ المکیۃ اور بارہ ضخیم جلدوں میں فتاویٰ رضویہ کے نام مشہور و معروف ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی کی تمام تصانیف خصوصاً فتاویٰ رضویہ کے مطالعے سے بڑے بڑے اصحابِ علم و فضل انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، پہلے قرآنِ پاک سے استدلال کرتے ہیں پھر احادیثِ مبارکہ اور اس کے بعد ائمۂ دین کے ارشادات سے اپنے

موقف کا ثبوت پیش کرتے ہیں، عقلی اور نقلی دلائل کی فراوانی دیکھ کر قاری کو علی وجہ البصیرہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ آیندہ صفحات میں فتاویٰ رضویہ کی چند خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ فیضانِ رسالت

امام احمد رضا بریلوی کی ایک خصوصیت، عشقِ رسول ایسی ہے جسے ان کے شدید ترین مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ فتاویٰ کے نام ہی کو دیکھیے ''العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ'' (یعنی نبیِ اکرم ﷺ کے عطیات احمد رضا کے فتووں میں) ان کی عقیدت و محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ ان کی نگارشات کی ایک ایک سطر سے رسول اللہ ﷺ کی محبتِ صادقہ کی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں، جو اہلِ ایمان کے مشامِ جان کو معطر کر رہی ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبد اللہ، ایم اے۔ ایم او۔ ایل۔ ڈی لٹ اپنے ایک پیغام میں کہتے ہیں، ''وہ (امام احمد رضا بریلوی) بلاشبہ جیّد عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہہ، صاحبِ نظر، مفسرِ قرآن، عظیم محدّث اور سحر بیاں خطیب تھے؛ لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بھی بلند تر ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشقِ رسول کا۔''[۲]

۲۔ دلائل کی فراوانی

امام احمد رضا بریلوی کی کسی بھی تصنیف کا مطالعہ کر لیجیے، آپ کو واضح طور پر محسوس ہو گا کہ ان کے ہاں آورد نہیں ہے، بلکہ آمد ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ دلائل و مضامین ان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں، جنہیں وہ قلم برداشتہ صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ سماعِ موتیٰ کے مسئلے پر قلم اٹھایا تو ایک مبسوط کتاب ''حیات الموات فی سماع الاموات'' لکھ دی، جس میں ۳۶۵ دلائل سے ثابت کیا کہ دنیا سے رخصت ہونے والے محض پتھر نہیں بن جاتے بلکہ وہ جانتے ہیں، دیکھتے، سنتے ہیں۔ اس موضوع پر آیاتِ کریمہ، احادیثِ شریفہ، ارشاداتِ صحابہ اور متقدمین و متاخرین فقہاءِ اسلام کے اقوال کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ دوسری کسی کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ یہ کتاب فتاویٰ رضویہ کی چوتھی جلد میں ص ۲۳۵ سے ص ۳۷۶ تک پھیلی ہوئی ہے اور ''روحوں کی دنیا'' کے نام سے الگ کتابی صورت میں بھی لاہور سے چھپ چکی ہے۔

۳۔ انتہاءِ تحقیق

امام احمد رضا بریلوی کا رہوار قلم میدانِ تحقیق میں جولانیاں دکھاتا ہے تو عموماً آخری حدوں کو چھو جاتا ہے اور مزید تحقیق اور گفتگو کی گنجائش نہیں چھوڑتا، فقہاءِ کرام کی تصانیف میں اُن چیزوں کی تعداد ۷۴ بیان کی گئی جن سے تیمم جائز ہے جبکہ امام احمد رضا بریلوی نے اس پر ۱۰۷ اشیا کا اضافہ کیا اور جن چیزوں سے تیمّم جائز نہیں ان کی تعداد کتبِ سابقہ میں ۵۸ بیان کی گئی تھی، فتاویٰ رضویہ میں ان پر ۷۲ چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں، ''یہ تین سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے ۱۸۱ سے تیمّم جائز، جن میں ۷۴ منصوص (کتب ائمہ میں بیان کی گئی ہیں) اور ۱۰۷ ازیاداتِ فقیر، اور ۱۳۰ سے ناجائز جن میں ۵۸ منصوص اور ۷۲ زیاداتِ فقیر، ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا، بلکہ زیادات در کنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔''[۳] ۱۳۲۸ھ میں ایک رسالہ تحریر کیا ''ارتفاع الحجب عن قرأۃ الجنب'' اس میں وہ جلیل القدر تحقیقات پیش کیں جو اسی رسالے کا حصّہ ہیں۔ یہ تحقیقات کسی دوسری کتاب میں نہیں ملیں گی، اربابِ علم و تحقیق کے لیے اس میں وسیع علمی ذخیرہ ہے۔

۴۔ مسائلِ جدیدہ کی تحقیق

امام احمد رضا بریلوی نے نہ صرف قرآن و حدیث اور علماءِ اسلام کی تحقیقات اور نگارشات کا گہری نظر سے وسیع مطالعہ کیا تھا، بلکہ ان کا علم مستحضر بھی تھا؛ دوسری دفعہ ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۵ء میں حرمینِ شریفین کی حاضری کے لیے گئے تو مکۂ معظمہ کے علما کی طرف سے نوٹ سے متعلق بارہ سوالات پیش کیے گئے، جن کے بارے میں مکۂ مکرمہ کے مفتیِ احناف شیخ جمال بن عبد اللہ سے دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے علماءِ ربانی کی شان کے مطابق جواب دیا تھا کہ علم، علما کی گردنوں کی امانت ہے، امام احمد رضا بریلوی نے طبیعت ناساز ہونے کے باوجود ڈیڑھ دن میں تفصیلی جواب لکھ دیا اور اس کا نام ''کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم'' تجویز کیا۔ مولانا عبد الحی لکھنوی والدِ ماجد ابو الحسن علی ندوی لکھتے ہیں، ''فقہِ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی ان کا کوئی ہم پلّہ ہو، اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی تصنیف ''کفل الفقیہ الفاہم ''شاہد ہے، یہ کتاب انہوں نے مکۂ مکرمہ میں ۱۳۲۳ھ (بلکہ ۱۳۲۴ھ) میں لکھی۔''[۴]

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری اپنے پیغام میں لکھتے ہیں، "اگرچہ فاضلِ بریلوی تمام علومِ متداولہ میں مہارتِ کاملہ رکھتے تھے، مگر فقہ میں ان کا کوئی مدِّ مقابل نہ تھا، ان کی فقہی جامعیت کا اندازہ ان کے فتاویٰ سے ہوتا ہے۔"۵؎

۱۳۰۳ھ / ۱۸۸۶ء میں انگریزوں کی ایک کمپنی روسر کی تیار کردہ شکر کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ یہ کمپنی شکر صاف کرنے کے لیے جو ہڈیاں استعمال کرتی ہے ان میں احتیاط نہیں کی جاتی کہ وہ پاک ہیں یا ناپاک، حلال جانور کی ہیں یا مردار کی، اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک رسالہ "الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر" تحریر کیا، جو فتاویٰ رضویہ جلدِ دوم کے ۳۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جواب سے پہلے ائمۂ دین کے حوالے سے دس تفصیلی مقدمات بطورِ تمہید بیان کیے، اس کے بعد تفصیلی حکم بیان فرمایا۔

۵۔ تنقیحِ مسائل

بعض مسائل میں ائمۂ احناف کا بڑا اختلاف تھا، فتاویٰ رضویہ میں ان کی نہ صرف توضیح و تشریح کی گئی؛ بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا کہ مذہبِ مختار و معتمد کیا ہے۔ ۷/ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء کو استفتا پیش ہوا کہ ایک شخص نیند سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے کپڑے یا بدن پر تری پائی یا خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو اس پر نہانا واجب ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک مبسوط رسالہ لکھا "الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل" فتاویٰ رضویہ جلدِ اوّل کے جہازی سائز کے ۴۲ صفحات پر پھیلا ہوا۔ یہ فتوٰی امام احمد رضا بریلوی کی دقّتِ نظر اور وسعت مطالعہ اور حیرت انگیز استحضار کی دلیل ہے۔ بحث کے آغاز میں فرماتے ہیں:

یہاں چھے صورتیں ہیں:

اوّل: تری کپڑے یا بدن کسی پر نہ دیکھی۔

دوم: دیکھی اور یقین ہے کہ یہ منی یا مذی نہیں، بلکہ ودی یا بول یا پسینہ یا کچھ اور ہے۔ ان دونوں صورتوں میں مطلقاً اجماعاً غسل، اصلاً نہیں، اگرچہ خواب میں مجامعت اور اس کی لذت اور انزال تک یاد ہو۔

سوم: ثابت ہوا کہ یہ تری منی ہے، اس میں بالاتفاق نہانا واجب ہے؛ اگرچہ خواب وغیرہ اصلاً یاد نہ ہو۔

اب رہی تین صورتیں؛

چہارم: تری کے منی ہونے کا احتمال ہو۔

پنجم: مذی ہونے کا علم ہو۔

ششم: منی نہ ہونا تو معلوم، مگر مذی ہونے کا احتمال۔

پس اگر خواب میں احتلام یاد نہیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک ان تینوں صورتوں میں اصلاً غسل نہیں (یہی قول قیاس کے زیادہ مطابق ہے اور اسی کو امام خلف بن ایوب اور فقیہہ ابو اللیث سمر قندی نے اختیار کیا ہے) ملخصاً ۶؎

۶۔ مصادر و مراجع کی کثرت

فتاویٰ رضویہ کے کسی بھی فتوے کا مطالعہ کر لیجیے؛ ہر فتویٰ تفصیلات سے مالا مال ملے گا۔ بابرکت کتاب ''حیات الموات'' کے مراجع کی کثرت کا اندازہ امام احمد رضا بریلوی کے اس ارشاد سے ہوتا ہے: ''مقصدِ اوّل میں پینتیس (۳۵) سوال تھے، مقصدِ دوم میں ساٹھ حدیثیں، ادھر نوعِ اوّل میں (صحابۂ کرام اور ائمۂ دین کے) دوسو (۲۰۰) قول، اب یہ (خاندان ولی اللّٰہی کے) ایک سو پانچ مقال مل کر چار سو کا عدد کامل۔'' ۷؎

۷۔ متعارض اقوال میں تطبیق

کسی مسئلے میں حضرت امامِ اعظم ابو حنیفہ میں اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) میں اختلاف ہو تو، بعض ائمہ نے مطلقاً فرمایا کہ فتویٰ امامِ اعظم کے قول پر ہو گا؛ جبکہ بعض دیگر ائمہ نے فرمایا کہ امامِ اعظم کے قول کو اس وقت ترک کیا جائے گا، جبکہ ان کی دلیل کمزور ہو، امام احمد رضا بریلوی نے ان کے درمیان یوں تطبیق دی ہے:

محقق ابنِ ہمام نے اس صورت کا استثنا کیا ہے، جب دلیل ضعیف ہو تو ان کی نظر مجتہد کی طرف ہے (یعنی مجتہد دلیل کے ضعف کی بنا پر قولِ امام ترک کر کے صاحبین کا مذہب اختیار کر سکتا ہے) اور جن حضرات نے استثنا نہیں کیا تو ان کا قول مقلّد سے متعلق ہے (یعنی مقلّد کے لیے قولِ امام کا ترک کرنا جائز نہیں ہے) جیسے کہ امام، صاحب ہدایہ اور امام عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا۔ ۸؎

۸۔ نادر طریق استدلال

امام احمد رضا بریلوی کو اللہ تعالیٰ نے زبردست قوّتِ استنباط عطا فرمائی تھی۔ ان کی فکرِ عالی جس طرف

متوجہ ہوتی جدید اور اچھوتے انداز کے دلائل منظرِ عام پر لاتی تھی۔ ائمۂ احناف کے نزدیک نمازِ جنازہ کا ایک دفعہ ہی پڑھنا جائز ہے؛ ہاں، اگر غیر احق ولی کی اجازت اور اتباع کے بغیر پڑھ لے تو ولی دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ اس پر استدلال کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

نمازِ جنازہ اللہ عزّوجل کی بارگاہ میں میّت کی شفاعت ہے کما قدمنا علی الحدیث اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کون ہے جو اللہ کے یہاں شفاعت کرے، مگر اس کے اذن سے، اور اذن اللہ عزوجل کا قرآنِ عظیم سے ثابت ہو یا سید المرسلین ﷺ کے اذنِ قولی یا فعلی یا تقریری سے، اور صورتِ مذکورہ کا اذن کہیں ثابت نہیں وَمَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْہِ الْبَیَانُ (جو دعویٰ کرے وہ دلیل لائے) لاجرم ان مجتہد صاحب نے بے ثبوتِ اذنِ الٰہی بارگاہِ عزّت میں شفاعت پر جرأت و بے باکی اور اپنے ساتھ اور مسلمان کو بھی اس بلا میں ڈالا اور مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْھَا (اور جس نے بری سفارش کی اس کے لیے اس میں سے حصّہ ہوگا) سے حصّہ لیا، دیا۔ ۹

۹۔ اکابر فقہا کے تسامحات پر تنبیہ

امام احمد رضا بریلوی نے سینکڑوں جگہ اکابر فقہاے کرام کے تسامحات پر تنبیہ کی ہے؛ مگر کیا مجال کہ بے ادبی یا تنقیص کا کوئی کلمہ نوکِ قلم پر لائیں، یا اپنی برتری کا اظہار کریں، بلکہ ایسے مقامات پر وہ تطفّل کا عنوان دیتے ہیں، جس کا معنٰی ہے بچوں والی بات، تاکہ قاری کو گستاخی کا وہم بھی پیدا نہ ہو۔

قرآنِ پاک افضل ہے یا نبیِ اکرم ﷺ؟ اس بارے میں علامہ شامی نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور احتیاط یہ ہے کہ توقّف کیا جائے۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی نے شامی کے حاشیہ جدّ الممتار میں فرمایا:

توقّف کی حاجت نہیں ہے؛ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میرے نزدیک مسئلہ واضح ہے، کیونکہ اگر قرآن سے مراد مصحف ہو یعنی کاغذ اور سیاہی تو اس میں شک نہیں کہ وہ حادث اور مخلوق ہے اور نبیِ اکرم ﷺ ہر مخلوق سے افضل ہیں اور اگر قرآن سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہو جو اس کی صفت ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی صفات تمام مخلوقات سے افضل ہیں جو چیز اللہ تعالیٰ کا غیر ہے وہ اس صفت کے مساوی کیسے ہو سکتی ہے جو اس کا غیر نہیں ہے۔ اس بیان سے ہر دو قول میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، جن حضرات نے نبیِ اکرم ﷺ کو افضل قرار دیا ہے انہوں نے قرآن سے مراد مصحف لیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ مخلوق ہے کیونکہ وہ کاغذ اور سیاہی کا مجموعہ ہے اور نبیِ اکرم ﷺ ان میں سے ہر ایک سے افضل ہیں۔ (ترجمہ) ۱۰

۱۰۔ رسم المفتی (فتویٰ نویسی کے آداب)

امام احمد رضا بریلوی نے جہاں اپنی زندگی میں ہزاروں فتوے تحریر کیے، وہاں فتویٰ نویسی کے آداب کے بیان کا بھی خصوصی اہتمام کیا، اس موضوع پر انہوں نے درجِ ذیل رسائل تحریر کیے:

۱۔ اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام

(اس امر کا روشن بیان کہ فتویٰ مطلقاً قولِ امام پر ہوتا ہے)

۲۔ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی

(اس ارشاد کا مطلب کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے)

اس کے علاوہ فتاویٰ رضویہ جلدِ اوّل مطبوعہ بمبئی کے درجِ ذیل صفحات پر آدابِ اِفتا بیان کیے: ۴۴، ۶۳، ۸۱، ۸۲، ۸۴، ۱۴۸، ۱۶۷، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۷، ۲۰۲، ۳۲۳، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۸۱، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۷، ۴۳۲ وغیرہ۔ [۱۱]

۱۱۔ اسماء الرجال

آئندہ سطور سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ امام احمد رضا بریلوی کی نظر تاریخ و تذکرہ اور فنِّ اسماء الرجال پر کتنی وسیع تھی اور ایک مفتی کے لیے اس فن کی کیا اہمیت ہے؟ ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' میں امام ابن القاسم کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ میری رائے میں جب مقبرے کے آثار مٹ جائیں اور اس کی حاجت نہ رہے تو وہاں مسجد بنالینا جائز ہے، مولوی رشید احمد گنگوہی نے یہی فتویٰ دے دیا اور دلیل کے طور پر ''عمدۃ القاری'' کے حوالے سے یہی قول نقل کر دیا۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس فتوے پر دس وجہ سے تنقید کی اور ایک وجہ یہ بھی بیان کی:

عربی لفظوں کا ترجمہ دیکھ لیا، اب یہ ادراک کیسے کہ یہ ابن القاسم کون ہیں؟ کس مذہب کے عالم ہیں؟ ان کا قول مذہبِ حنفی میں کہاں تک سنا جا سکتا ہے؟ اور وہ بھی ان کی اپنی رائے اور وہ بھی اصول و فروع مذہب کے صریح خلاف!

مجیب صاحب! علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح جامع صحیح میں صرف اقوال مذہب (حنفی) پر اقتصا نہیں کرتے، بلکہ ائمۂ اربعہ اور ان سے بھی گزر کر بعض دیگر سابق و لاحق بلکہ بعض بد مذہبوں مثلاً ابو داؤد ظاہری و ابن حزم تک پہنچ کے اقوال نقل کر جاتے ہیں،

بلکہ بارہا ابن و آں ہی کے قول پر قناعت فرماتے اور ائمۂ مذہب کا مذہب بیان میں نہیں لائے، جاہل کہ تراجم علما سے آگاہ نہیں آپ کی طرح دھوکا کھاتا ہے اور خادمِ علم بحمد اللہ تعالیٰ فرقِ مراتب و تفرقۂ مذاہب کی خبر رکھتا ہے۔[۱۲]

چند سطروں کے بعد بیان کرتے ہیں کہ ابن القاسم کون ہیں؟ فرماتے ہیں:

یہ ابن القاسم و اشہب دونوں حضرات مالکی المذہب عالم ہیں؛ خود امام ہمام (امام مالک) کے شاگرد اور ان کے مذہب میں اہلِ روایت و درایت جیسے ہمارے ہاں زفر و حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم۔ آپ کی مقدس بزرگی کہ مذہب حنفی کے صریح خلاف ایک مالکی عالم کی رائے پر فتویٰ دیتے اور اپنے زعم میں اسے مذہبِ حنفی کی روایت سمجھ رہے ہیں۔[۱۳]

۱۲۔ علم توقیت

اوقاتِ نماز کا علم ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے تاکہ ہر نماز صحیح وقت پر ادا کی جائے، امام احمد رضا بریلوی علم التوقیت میں بھی یکتائے زمانہ تھے، آپ ہی نے سب سے پہلے متحدہ پاک و ہند میں شمسی سال کے اعتبار سے اوقاتِ نماز کا نقشہ مرتب کیا تھا۔ آپ کے شاگردِ رشید ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری بھی اس فن میں کامل مہارت رکھتے تھے، علم توقیت میں ان کی تصنیف لطیف لائقِ مطالعہ ہے، اس کا نام ہے ''الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت''۔ یہ کتاب تقریباً اڑھائی سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں زیادہ تر امام احمد رضا بریلوی کے افادات بیان کیے گئے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی سے پوچھا گیا کہ اس سال ۱۳۲۰ھ میں عید الفطر کا آخری وقت کب تھا؟ جس نے ساڑھے گیارہ بجے نماز پڑھی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا، ''مذہبِ اصح پر اس کی نماز نہ ہوئی، وقت اس کے قریب قریب ختم ہو چکا تھا، مگر ایسی جگہ علما آسانی پر نظر فرماتے ہیں، ہمارے علما کا دوسرا قول یہ ہے کہ وقتِ عید زوال تک ہے، اس تقدیر پر جس نے بارہ بج کر ۶ منٹ تک بھی سلام پھیر دیا اس کی نماز ہو گئی کہ اس دن بارہ بج کر ساڑھے چھ منٹ پر زوال ہوا تھا۔''[۱۴]

۱۳۔ لوگارثم

لوگارثم حساب کی ایک قسم ہے، آج تو میٹرک کے نصاب میں شامل ہے، لیکن آج سے پچھتر سال پہلے بہت کم لوگ اس کے ماہر تھے، خصوصاً طبقۂ علماءِ دین میں تو شاید ہی کوئی اس کا ماہر ہو۔ امام احمد رضا بریلوی

نہ صرف اس کے ماہر تھے؛ بلکہ کئی سوالات اس کی مدد سے حل کیے۔

۱۳۳۴ھ میں سوال کیا گیا کہ کنوئیں کا دور کتنے ہاتھ کا ہونا چاہیے؟ تا کہ وہ دہ دردہ ہو اور نجاست کے واقع ہونے سے ناپاک نہ ہو۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ اس مسئلے میں چار قول ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا دَور تقریباً ساڑھے پینتیس (۳۵) ہاتھ چاہیے، یعنی ۳۵ء۴۴۹ تو تقریباً ۵ گز ساڑھے دس گرہ ہو گا، بلکہ دس گرہ ایک انگل یعنی ۱۱ء۲۸۴ ہاتھ۔ ۱۵؎ یہ جواب بڑے سائز کے دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربی زبان بھی جانتا ہو اور لوگارثم سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔

۱۴۔ سائنس اور طب

ایک مفتی جتنا وسیع النظر ہو گا اس کے فتاویٰ میں اتنی ہی گہرائی زیادہ ہو گی۔ حکیم محمد سعید دہلوی فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے؛ اس لیے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں ان سے ان کی دِقّت نظر اور طبّی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے تحقیقی اسلوب و معیار سے دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔ ۱۶؎

۱۵۔ مذہبِ حنفی کی تائید و حمایت

امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ کے مطالعے سے ان کی مجتہدانہ بصیرت، فکر رسا اور اندازِ استدلال کا واضح طور پر پتا چلتا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو ان کے حلقۂ ارادت سے متعلق نہیں ہیں۔ ایک دفعہ علامہ اقبال علی گڑھ گئے، وہاں ایک علمی مجلس میں امام احمد رضا بریلوی کا ذکر آ گیا، علامہ نے ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا، جسے ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی ضبطِ تحریر میں لائے، ان کے بیان کے مطابق علامہ نے کہا:

”وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا

ہے کہ وہ کس درجہ اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرورہ تھے، اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہہ تھے۔ ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہہ بمشکل ہی ملے گا۔

اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدّت اور بعض علما کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویّے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "اگر یہ اُلجھن درمیان میں نہ آپڑتی تو ان کا علم و فضل ملّت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور وہ یقیناً اس دور کے ابو حنیفہ کہلاسکتے تھے۔" [۱۷] جماعتِ اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی اپنے ایک پیغام میں لکھتے ہیں: "مولانا احمد رضا خاں صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔" [۱۸]

امام احمد رضا بریلوی کا ہر فتویٰ مذہبِ حنفی کے بیان اور اس کی تائید پر مشتمل ہے؛ تاہم اس سلسلے میں چند رسائل خصوصی طور پر لائقِ مطالعہ ہیں:

۱۔ اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام (۱۳۳۴ھ)

۲۔ الفضل الموہبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذہبی

۳۔ اطائب الصیّب علیٰ ارض الطیّب (۱۳۱۹ھ) مسئلۂ تقلید پر مدرسۂ رامپور کے پرنسپل محمد طیّب مکی سے مراسلت

۴۔ ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار (۱۳۱۶ھ) سُنّی عورت کا نکاح بدمذہبوں سے ممنوع

۵۔ النھی الاکید عن الصّلاۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ) غیر مقلدین کے پیچھے نماز کی سخت ممانعت

۶۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین (۱۳۱۳ھ)

۱۳۱۳ھ میں ایک استفتا آیا کہ سفر شرعی میں دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے مبسوط جواب لکھا جو فتاویٰ رضویہ جلدِ دوم کے ۹۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، انہوں نے فرمایا کہ جمع کی دو صورتیں ہیں:

(۱) جمعِ صوری (۲) جمعِ حقیقی

جمعِ صوری یہ ہے کہ ایک نماز اس کے آخری وقت اور دوسری نماز اس کے وقت کی ابتدا میں پڑھی جائے اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔ جمعِ حقیقی یہ ہے کہ دو نمازیں ایک وقت میں ادا کی جائیں۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

۱۔ ظہر اور عصر، دونوں ظہر کے وقت میں پڑھی جائیں، ایسی صورت میں عصر کی نماز نہیں ہوئی، کیونکہ اس کا وقت ہی شروع نہیں ہوا۔

۲۔ دونوں عصر کے وقت میں پڑھی جائیں، اس صورت میں ظہر قضا ہو گی، نہ کہ ادا۔

ائمۂ احناف کے نزدیک یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، امام احمد رضا بریلوی نے یہ رسالہ چار فصلوں پر تقسیم کیا:

۱۔ جمعِ صوری کا اثبات۔

۲۔ جمعِ تقدیم کے شبہات کا ابطال۔

۳۔ جمعِ تاخیر کی تضعیف۔

۴۔ اوقات کی پابندی کی ہدایت اور جمع کرنے کی ممانعت۔

اس مسئلے میں غیر مقلدین کے امام میاں نذیر حسین دہلوی نے ''معیار الحق'' میں ائمۂ مالکیہ اور شافعیہ سے استفادہ کرتے ہوئے مذہبِ حنفی کے رد کرنے کے لیے تفصیلی کلام کیا تھا، امام احمد رضا بریلوی نے اس فتوے میں ان پر سخت تنقید کی اور ان کے ایک ایک شبہے کا جواب اتنے مضبوط حوالوں سے دیا ہے کہ مخالفین حدیث دانی کے دعوے کے باوجود آج تک اس کا جواب دینے کی ہمّت نہیں کر سکے۔ رسالۂ مبارکہ ''حاجز البحرین'' حدیث اور اصولِ حدیث کے علوم کا بہتا ہوا دریا ہے، جسے پڑھ کر اہلِ علم انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور مذہب حنفی کی حقانیت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چالیس سے زیادہ طرق اس وقت پیشِ نظر فقیر ہیں؛ان میں نصف سے زائد تو محض مجمل جن میں سے اٹھارہ کی طرف ہم نے احادیثِ مجملہ میں اشارہ کیا۔ رہے نصف سے کم ان میں اکثر صاف صاف جمعِ صوری کی تصریح کر رہے ہیں، جن میں سے چودہ روایاتِ بخاری، ابوداؤد و نسائی وغیرہم سے اوپر مذکور ہوئے۔۱۹

سراج الفقہا مولانا سراج احمد خانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی علمِ حدیث میں وسعتِ علمی دیکھنی ہو تو رسائل "تقبیل الابہامین" و "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین" نذیر حسین دہلوی امام اہلِ حدیث کے رد میں ملاحظہ کریں، جس سے مولوی نذیر حسین طفلِ مکتب نظر آتا ہے، اسی طرح وسعتِ علمی علومِ معقولات فلسفہ، ریاضی وغیرہ میں رسالہ "فوزِ مبین" حرکتِ زمین کے رد میں دیکھو کہ نظامِ بطلیموسی فیثاغورثی کی ایسی تطبیق دی کہ نیوٹن جو فلسفۂ حال کا امام مانا جاتا ہے شاگرد نظر آتا ہے۔۲۰

۱۲۔ سیاسی راہنمائی

امام احمد رضا بریلوی سیاسی لیڈر نہ تھے، بلکہ اسلامی مفکر و مدبر تھے۔ وہ ہر مسئلے کو دینی اور اسلامی نکتۂ نظر سے دیکھتے تھے اور اُمّتِ مسلمہ کے دین و ایمان اور جان و مال کی حفاظت کو اہم ترین مقصد قرار دیتے تھے۔ بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں کئی تحریکیں اٹھیں اور طوفان کی طرح پوری ملک میں چھا گئیں، بڑے بڑے سیاسی لیڈر یا تو ان تحریکوں کے بہاؤ میں بہہ گئے یا دم بخود تھے کہ کیا کہیں اور کیا کریں؟ ایسے ماحول میں امام احمد رضا بریلوی تنِ تنہا آندھیوں کی زد پر چراغ بکف نظر آتے ہیں۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی، حکومتِ برطانیہ نے بے شمار ہندوستانیوں کو اس وعدے پر فوج میں بھرتی کیا کہ فتح کے بعد ہندوستان آزاد کر دیا جائے گا، مسٹر گاندھی نے بھی فوجی بھرتی کی بھرپور حمایت کی۔ مسلمانوں کی عظیم سلطنت، ترکی کو اس جنگ میں شکست ہوئی، فتح کے بعد انگریز اپنے وعدے سے پھر گیا، اس موقع پر گاندھی نے ایک گہری چال چلی اور اعلان کیا کہ سلطانِ ترکی اسلام کا خلیفہ ہے اور اس کی خلافت کو ختم کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے؛ مسلمانوں میں شدید اشتعال پیدا ہو گیا اور تحریکِ خلافت چل نکلی۔ اس تحریک کا مقصد ایک طرف تو انگریز سے وعدہ خلافی کا انتقام لینا تھا اور دوسری طرف اظہارِ ہمدردی کے ذریعے مسلمانوں کو ہندوؤں کے قریب کرنا تھا کہ وہ ہندو مت میں مدغم ہو کر رہ جائیں، پھر ترکِ موالات (بائیکات) کا اعلان کیا گیا اور اپیل کی گئی کہ انگریزی ملازمت چھوڑ دو،

انگریز کی دی ہوئی جاگیریں واپس کر دو، مسلمانوں کے کالجوں کو ملنے والی گرانٹ واپس کر دو، غرض یہ کہ انگریزوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو، پھر ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لیے مسلمان یہاں سے ہجرت کر کے چلے جائیں، افسوس ناک بات یہ تھی کہ گاندھی لیڈر تھا اور مسلمانوں کے راہ نما دست بستہ اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتوے دیے جا رہے تھے، مسجدوں کے منبروں پر گاندھی کو بٹھا کر تقریریں کروائی جا رہی تھیں اور اس کی درازیِ عمر کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں، مختصر یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے پوری طرح راہ ہموار کی جا چکی تھی۔

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کسی کو اس سازش کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں تھی۔ ایسے ماحول میں امام احمد رضا بریلوی نے اپنے فتاویٰ کے ذریعے کلمۂ حق بلند کیا اور ہندو مسلم اتحاد کی سازش کے تار و پود بکھیر دیے، انہوں نے بسترِ علالت سے ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء میں "المحجۃ المؤتمنۃ" لکھ کر امّتِ مسلمہ کو خوابِ غفلت سے جگایا اور قومِ مسلم میں نئی روح پھونک دی۔ امام احمد رضا بریلوی اپنے فتوے میں لکھتے ہیں:

نصاریٰ کی یہ غلامی کہ پیرِ نیچر (سید احمد خاں) نے تھامی، لیڈر جس کے آپ زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی... اب اگر بعض خرابیِ بصرہ (بینائی) آنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہیں؛ مبارک ہو اور خدا سچ کرے اور راست لائے، مگر للہ انصاف! وہ غلامی ادھوری تھی... اور اب مشرکین (ہندوؤں) کی پوری غلامی ہو رہی ہے، ان کے ساتھ یہ سب کچھ اور ان سے بہت زائد کیا جا رہا ہے۔ یہ کون سا دین ہے؟ نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری (غلامی) میں غرقاب۔ [۲۱]

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی چاہتے تھے کہ مسلمان انگریز کی غلامی کا جُوّا اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے لیے تیار ہو جائیں، خدا کرے کہ ایسا ہی ہو؛ لیکن مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی ہو گی کہ اس کے بعد ہندوؤں کی غلامی قبول کر لیں، جس کا ہندوؤں کی اکثریت کی بنا پر واضح خطرہ تھا۔

امام احمد رضا بریلوی اُمّتِ مسلمہ کا دیدۂ بینا تھے، انہوں نے اس افراتفری کے دور میں وہ کچھ دیکھا جو دوسرے نہ دیکھ سکے، نہ صرف دیکھا بلکہ ببانگِ دہل اپنی قوم کو بتایا اور اسے تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔ ذرا آپ بھی سنیے فرماتے ہیں:

دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔

اوّل: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم: یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف (ہندو) نے یہ تینوں درجے ان پر طے کرا دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اوّلاً: جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیاً: جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھرّا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال ہمارے ہاتھ آ جائیں۔

ثالثاً: جب یہ بھی نہ بنی تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر اُبھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مالگزاری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ و ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ ۲۲

پاکستان اور ہندوستان میں گائے کی قربانی شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ حضرت مجدّدِ الف ثانی نے اس کو شعائرِ اسلام میں شمار کیا ہے۔ ۲۳ اسلامی سلطنت میں ہندوؤں کے دخیلِ کار ہونے کی وجہ سے اکبر بادشاہ نے گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی تھی۔ ۲۴ پھر حضرت مجدّدِ الفِ ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کی کوشش و جدّوجہد سے جہاں گیر بادشاہ کے زمانے میں یہ پابندی اٹھا دی گئی اور قلعہ کانگڑہ میں حضرت مجدّدِ الفِ ثانی کی موجودگی میں خود جہاں گیر نے گائے ذبح کرا کے اس پابندی کو عملاً ختم کیا۔ ۲۵

انقلابِ ۱۸۵۷ء کے بعد پھر ہندوؤں نے کوشش کی کہ گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی جائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام بھی عمل میں نہ آیا تھا۔ ہندوؤں نے گائے کی قربانی سے متعلق علمائے ہند سے فتوے لیے، مگر مسلمانوں کے پردے میں۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء کو مرادآباد سے مولانا بریلوی کے پاس ایک اِستفتا آیا، جس میں گائے کی قربانی سے متعلق متعدّد سوالات تھے، مولانا بریلوی نے اس اِستفتا کا مفصّل و محقق جواب دیا اور لکھا: "ہنود کی بے جاہٹ بجا رکھنے کے لیے یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہر گز جائز نہیں۔" ۲۶ مولانا بریلوی کے جواب پر علمائے رام پور نے اپنی تصدیقات ثبت کیں۔ مولانا شبلی نعمانی کے استاد مولانا ارشاد حسین رام پوری (م ۱۸۹۳ء / ۱۳۱۱ھ) نے اپنے توثیقی

دستخط ثبت کرتے ہوئے تحریر فرمایا: الناقد بصیر (پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے)۔ یعنی مفتی نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے مستفتی کی اصل منشاو مدّعا کو سامنے رکھ کر فیصلہ صادر کیا ہے۔ اس سوال کا ایک جواب ہندوستان کے مشہور فقیہہ مولانا عبدالحی لکھنوی (م۱۳۰۴ھ /۱۸۸۶) نے بھی دیا، جو۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۷ء میں ان کے مجموعۂ فتاویٰ میں شائع ہوا؛ انہوں نے سوال کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے سیدھا سادا جواب دیا اور تحریر فرمایا، ''گاؤکشی واجب نہیں، تارک گنہگار نہ ہوگا۔'' ۲۷ مگر جب اصل حقیقت کا پتا چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشا خالص سیاسی ہے تو انہوں نے مولانا بریلوی کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے دوسرے فتوے میں یہ جواب دیا: ''گاؤکشی کہ اسلام کا طریقۂ قدیمہ ہے، ترک نہ کریں۔'' ۲۸ مولانا بریلوی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا: ''مولوی صاحب ہنود کے دھوکے میں آگئے، مسلمانوں کے خلاف فتویٰ لکھ دیا تنبیہہ پر متنبہ ہوئے، یہی سوال میرے پاس بھی آیا تھا بفضلہٖ تعالیٰ بہ نگاہِ اوّلین مکرِ مکاران پہچان لیا اور ''گربہ کشتن روز اوّل باید۔'' پر عمل کیا وللہ الحمد۔ ۲۹

مولانا بریلوی نے جس زمانے میں گاؤکشی کی حمایت میں فتویٰ دیا اس وقت ان کی عمر بمشکل سے ۲۳ سال ہوگی، اس جواں عمری میں یہ سیاسی بصیرت قابلِ توجہ ہے، بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ مولانا بریلوی نے مستقبل میں اٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا وہ صحیح نکلا۔ اسی طرح ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں ایک دفعہ پھر سوال کیا گیا، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں: ''فی الواقع گاؤکشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے، جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب، کلامِ مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے، اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا، مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔ ۳۰ تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ ''انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)''۔

۱۳۔ قبولیتِ عامہ

اللہ تعالیٰ نے امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ اور نگارشات کو غیر معمولی قبولیتِ عامہ عطا فرمائی تھی۔

۱۲/ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو اسلامیہ ہائی اسکول، لائل پور (فیصل آباد) کے ہیڈ ماسٹر چودھری عزیز الرحمٰن نے ایک اِستفتا پیش کیا، اس میں وہ لکھتے ہیں: "خاکسار آنحصور کو، جیسا کہ لاکھوں کروڑوں پنجاب و ہندوستان کے اہلِ سنّت و جماعت مجدّدِ وقت مانتے ہیں، اس زمانے کا مجدد مانتا ہے اور جب سے ہوش سنبھالا ہے اسی عقیدے پر بفضلِ خدا رہا ہے جس پر آپ اور دیگر بزرگانِ قوم و علمائے کرام ہیں یا ہوتے آئے ہیں۔" ۳۱ اور صرف متحدہ پاک و ہند کے چپے چپے ہی سے نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی اِستفتا آپ کی خدمت میں پیش ہوتے تھے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں: "امام احمد رضا کے دارالافتاء میں برِّ اعظم ایشیا، برِّ اعظم یورپ، برِّ اعظم امریکہ، برِّ اعظم افریقہ سے اِستفتا آتے تھے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جایا کرتے تھے۔" ۳۲

ذیل میں امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ گزشتہ صفحات میں مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے فتووں نے ہندو مسلم اتحاد کا طلسم پاش پاش کیا اور دو قومی نظریے کی صداقت کا بھرپور پرچار کیا، جسے بعد میں دوسرے قومی قائدین نے اپنایا اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ جناب کوثر نیازی لکھتے ہیں:

امام احمد رضا گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دام ہمرنگ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے، انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اُٹھائی جب اقبال اور قائدِ اعظم بھی اس کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر تھے۔ دیکھا جائے تو دو قومی نظریے کے عقیدے میں امام رضا مقتدا ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی، پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا، اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔ ۳۳

۲۔ ہندوستان میں آج بھی ہندوؤں کے تمام تر تشدّد اور خوں ریزی کے باوجود مسلمان گائے کی قربانی دے رہے ہیں، اس سلسلے میں سب سے زیادہ اثر امام احمد رضا بریلوی کے فتووں کا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ مبارکہ "انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)"۔

۳۔ قاری عبد الرحمٰن پانی پتی نے فتویٰ دیا کہ نمازِ تراویح میں سورۂ براءت کے علاوہ ہر سورت کی ابتدا میں بسم اللہ شریف کا بلند آواز سے پڑھنا لازم ہے؛ ورنہ جن قرّاء کے نزدیک بسم اللہ شریف ہر سورۃ کی جز ہے ان کے مذہب پر لازم آئے گا کہ ۱۱۴ آیتیں کم ہو جائیں اور ختمِ قرآن مکمل نہ ہو، مولوی رشید احمد گنگوہی

نے بھی اس فتوے کی تصدیق کر دی۔ امام احمد رضا بریلوی کے سامنے یہ فتوے پیش ہوئے تو انہوں نے ان پر معقول اور مدلل تنقید کی اور چودہ افادات کے بعد مسئلے کو اس قدر نکھار کر پیش کیا کہ آج مخالفین بھی ان کے فتوے پر عمل کر رہے ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے رسالہ مبارکہ ''وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح'' (۱۳۱۲ھ)۔ امام احمد رضا بریلوی ابتداءِ جواب میں فرماتے ہیں:

بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر، مذہبِ حنفی میں لازم وواجب ہونا محض بے اصل و باطلِ صریح اور حنفیۂ کرام پر افترا قبیح ہے۔ تحصیلِ سنّتِ ختم فی التراویح کے لیے صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے، زید بے علم اور اس کے دونوں متبوعوں کی تحریر سراسر بے تحریر اور غیر صحیح ہے۔[۳۴]

۱۴۔ مرجع العلما

فتاویٰ رضویہ کے مطالعے سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں اِستفتا پیش کرنے والوں میں بڑی تعداد اصحابِ علم وفضل کی تھی، ان میں مفتی بھی تھے اور مصنف بھی، جج بھی تھے اور وکیل بھی، مولانا خادم حسین نے فتاویٰ کی نو جلدوں کے مطالعے کے بعد ایک مقالہ لکھا ہے ''امام احمد رضا... بحیثیت مرجع العلما'' ان کے اعداد وشمار کے مطابق اِستفتا کرنے والوں میں ایک چوتھائی حصّہ علما اور دانشوروں کا ہے، یہ مقالہ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات) جلدِ اوّل مطبوعۂ رضا فاؤنڈیشن، لاہور کی ابتدا میں شامل کر دیا گیا ہے۔

اعتراف: فتاویٰ رضویہ کی یہ چند خصوصیات بعجلت تمام تحریر کی گئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ فتاویٰ کے تعارف کا حق ادا نہیں ہو سکا، یہ کسی محقق ہی کا کام ہے کہ فتاویٰ رضویہ کا بالاستیعاب، گہری نظر سے مطالعہ کر کے تفصیلی تعارف کرائے اور خصوصیات پر جامع مقالہ تیار کرے۔

مآخذ ومراجع

۱۔ مولانا محمد صابر نسیم بستوی، اعلیٰ حضرت بریلوی، ص ۳-۲۲، مکتبہ نبویہ، لاہور۔
۲۔ محمد مقبول احمد قادری، پیغامات یوم رضا، مرکزی مجلس رضا، لاہور، ۱۳۹۲ھ۔
۳۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، فتاویٰ رضویہ، جلد اوّل، ص ۱۰۷، رضا اکیڈمی، بمبئی۔

۴۔ مولانا عبد الحی لکھنوی، نزہۃ الخواطر، جلدِ ہشتم، ص ۴۱، اصح المطابع، کراچی۔

۵۔ مولانا عبد النبی کوکب، مقالاتِ یوم رضا، جلد ۲، ص ۷۲، دائرۃ المصنفین، لاہور۔

۶۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، فتاویٰ رضویہ جلد اوّل، ص ۵-۱۰۴، رضا اکیڈمی، بمبئی۔

۷۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، فتاویٰ رضویہ، جلد ۴، ص ۳۱۴، المجمع الاسلامی، مبارکپور (انڈیا)۔

۸۔ امام احمد رضا قادری بریلوی، فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات) جلد اوّل، ص ۱۵۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۱ء۔

۹۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، فتاویٰ رضویہ، جلد ۴، ص ۴۸، المجمع الاسلامی، مبارکپور (انڈیا)۔

۱۰۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، جد الممتار علیٰ ردّ المحتار، جلد اوّل، ص ۱۱۹، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی۔

۱۱۔ مولانا افتخار احمد قادری، ''حیاۃ الامام احمد رضا القادری البریلوی''، مشمولہ جد الممتار، المجمع الاسلامی، مبارکپور (انڈیا)۔

۱۲۔ امام احمد رضا خاں قادری، مجموعۂ رسائل، مرتبہ: سیّد شجاعت علی قادری، حصّہ ۲، ص ۹-۳۸، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ امام احمد رضا خاں قادری، فتاویٰ رضویہ، ج ۲، ص ۱۱۵۔

۱۵۔ امام احمد رضا خاں قادری، فتاویٰ رضویہ، ج اوّل، ص ۳۲۲، رضا اکیڈمی، بمبئی۔

۱۶۔ حکیم محمد سعید دہلوی، ''فاضل بریلوی کی طبّی بصیرت''، معارف رضا، شمارہ نہم، ص ۱۰۰، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی۔

۱۷۔ مولانا عبد النبی کوکب، مقالاتِ یومِ رضا، حصّہ سوم، ص ۸، دائرۃ المصنفین، لاہور۔

۱۸۔ مولانا عبد النبی کوکب، مقالاتِ یومِ رضا، حصّہ دوم، ص ۶۰، دائرۃ المصنفین، لاہور۔

۱۹۔ امام احمد رضا خاں قادری، فتاویٰ رضویہ، جلد ۲، ص ۲۴۸۔

۲۰۔ مولانا عبد الحکیم شرف، امام احمد رضا اور سراج الفقہاء، انوارِ رضا، ص ۱۹۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء۔

۲۱۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، ص ۱۳-۱۴، حسنی پریس، بریلی۔

۲۲۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، ص ۹۲، حسنی پریس، بریلی۔

۲۳۔ حضرت مجدّدِ الف ثانی، مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل، حصّہ دوم، مکتوب ۲۵۰، مطبوعۂ امرتسر، انڈیا، ۱۳۲۳ھ۔

۲۴۔ علامہ مفتی عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ، جلدِ دوم، ص ۲۹۸، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۲ء۔

۲۵۔ بدر الدین سرہندی، مجمع الاولیاء، مخطوطہ نمبر ۶۴۵، انڈیا آفس لائبریری، لندن۔

۲۶۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)، ص ۹، مطبوعہ بریلی۔

۲۷۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)، ص ۱۰، مطبوعہ بریلی۔

۲۸۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)، ص ۱۴۸، مطبوعہ بریلی۔

۲۹۔ محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری بریلوی، الملفوظ، حصہ اوّل، ص ۱۶، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۳۰۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، رسائل رضویہ، مرتبہ: حافظ محمد احسان الحق، جلد ۲، ص ۲۳۵، مکتبہ حامدیہ، لاہور۔

۳۱ؔ امام احمد رضاخان قادری بریلوی، المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ، ص۷، حسنی پریس، بریلی۔

۳۲ؔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، رہبر و رہنما، ص۳، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ۱۹۸۶ء۔

۳۳ؔ مولانا کوثر نیازی، امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت، ص۲۵–۲۶، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، ۱۹۹۱ء۔

۳۴ؔ امام احمد رضاخاں قادری بریلوی، فتاویٰ رضویہ، جلد۳، ص۵۵۶، المجمع الاسلامی، مبارکپور (انڈیا)۔

یوپی کے برکاتی سادات کی صوفیانہ روایات

اُشا سانیال

کوئنز یونیورسٹی، امریکا

ای میل: ushasanyal3@gmail.com

مترجم: محمد عبید الرحمٰن

Abstract: Barkati Syeds live in Marehra (UP) in India. They belong to Qadri order and are admired for the historical relics, duas and urs that are part of the sufi practices of the family. Shah Abul Husain Nuri Mian was a famous sufi of this family. He was born in 1255 hijri. After the demise of his parents, his pir and grandfather Shah Al-e Rasul took care of him and developed him as a sufi master. Nuri Mian was a great lover of his pir and followed his footsteps. Nuri Mian had close relations with Shah Abdul Qadir Badayuni and Maulana Ahmad Raza Khan Barelvi. Nuri Mian passed away in 1906. His urs is held every year at Marehra according to the sufi practices of the family.

Keywords: Qadri order, relics, urs, tasawwuf, Sufism, shrine, Nadwa, amulets, dua, sharia, naat.

خلاصہ: برکاتی سادات کا تعلق صوبہ یوپی کے قصبے مارہرہ سے ہے۔ خاندان میں محفوظ تبرکات، دعائیں اور اعراس خاندانِ برکاتیہ کی صوفیانہ روایات کا حصّہ ہیں۔ شیخِ طریقت شاہ ابوالحسین نوری میاں چشم وچراغِ خاندانِ برکات تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۵۵ھ میں ہوئی۔ والدین کے وصال کے بعد آپ کے دادااور مرشد شاہ آلِ رسول نے آپ کی تربیت فرمائی۔ خود نوری میاں فنافی الشیخ کے مرتبے پر تھے۔ نوری میاں کے شاہ عبدالقادر بدایونی ابنِ شاہ فضل رسول بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی سے قریبی تعلقات تھے۔ آپ کا وصال ۱۹۰۶ء میں ہوا۔ ہر سال کی طرح ۱۹۱۵ء اور ۱۹۲۱ء میں بھی ان کا عرس خاندانی روایت کے مطابق منایا جاتا ہے۔

اہم الفاظ: تبرکات، عرس، تصوف، سلوک، فنافی الشیخ، تحریکِ ندوہ، تعویزات، دعائیں، اوراد ووظائف، شریعت وطریقت، نعت۔

برکاتی سادات کا تعلق ضلع ایٹہ کے ایک چھوٹے قصبے مارہرہ میں آباد ایک صوفی گھرانے سے ہے۔ مارہرہ دہلی کے جنوب مشرق میں ۱۲۰ میل کے فاصلے پر یوپی (اترپردیش) کے مغربی حصے میں واقع ہے جہاں اس خاندان کے قیام کی ابتداء سترھویں صدی کے آخر میں ایک خاندانی بزرگ شاہ برکت اللہ (م۔۱۷۲۹ء) کے دور سے ہوئی اور انہی کی نسبت سے یہ خاندانِ برکاتیہ پہچانا جاتا ہے۔ اس سے پہلے یہ خاندان صوبے کے ایک مشرقی علاقے بلگرام میں آباد تھا، جہاں خاندان کی ایک شاخ آج بھی آباد ہے۔

اس مضمون میں بیان کیے جانے والے حالات کا پس منظر رفتہ رفتہ بکھرتی ہوئی مغلیہ سلطنت ہے۔ اس وقت ریاستوں کے نواب (بالخصوص اودھ اور بنگال کے شیعہ) شمالی ہندوستان اور دیگر جگہوں پر سر ابھار رہے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور دیگر یورپی بلخصوص فرانسیسی کمپنیاں تجارتی حقوق کے نام پر بعض ساحلی شہروں پر قابو پانے میں مصروف تھیں۔ طاقت کے حصول کے لیے مغل شہنشاہ اورنگ زیب (م۱۷۰۷ء) اور ان کے چند جانشینوں نے شمالی ہندوستان کے دور دراز چھوٹے چھوٹے قصبوں میں اپنی حکومت کا مقامی جواز حاصل کرنے کی کوشش میں برکاتی سادات و دیگر صوفی گھرانوں کو مال گزاری کی زمینیں دیں۔ اس کوشش میں انھوں نے پچھلے بادشاہوں کے زمین کے مستقل تحفے نہ دینے کے اس اصول کو الٹا دیا جو اس خوف کا نتیجہ تھا کہ معاشرے کے دیگر طبقے آنے والے وقت میں ان کے اقتدار کے لیے خطرہ بنیں گے۔ برکاتی سادات کے لیے یہ نیاز مندی اٹھارھویں صدی کے غیر محفوظ سیاسی و معاشی بحران میں بقا کے لیے سخت اہم تھی۔

برکاتی سادات بحیثیت صوفی قادری سلسلے سے وابستہ ہیں تاہم ان کا تعلق نقشبندی، سہروردی اور چشتی سلاسل سے بھی ہے۔ ان کی اقتدا کرنے والے افراد بشمول ان کے ساتھی علما یعنی علمِ دین سے معروف مسلمان گھرانوں کی نظر میں صدیوں سے جس چیز نے ان کے وقار میں اضافہ کیا وہ برکاتی سادات کے پاس محفوظ تبرکات تھے۔ ان میں سے مستقل تبرکات میں پیغمبرِ اسلام کے گیسو (مبارک) تھے جو شاہ برکت اللہ کے دور میں خاندان میں آئے اور ایک شیشے کی چونچی میں رکھے تھے۔ زائرین کو ان کی زیارت خاندانی بزرگوں کے اعراس میں کرائی جاتی تھی۔ دیگر تبرکات میں سُنیوں کے چوتھے

خلیفہ (جو شیعوں کے نزدیک پہلے امام ہیں) حضرت علی اور ان کے دو صاحبزادوں (حضرات) حسن و حسین کے گیسو ہیں ان میں سے ہر تبرک کی خاندان میں آمد سے قبل ایک تاریخ ہے جو خاندان کی روحانی نسبتوں کو پیغمبر محمد (ﷺ)، ان کے چچازاد اور داماد (حضرت) علی اور ان کے دونوں بیٹوں (حضرات) حسن و حسین اور بارھویں صدی میں عراق میں قادری سلسلے کے بانی شیخ عبد القادر گیلانی اور سلسلۂ چشتیہ کے صوفیہ شیخ معین الدین اجمیری (م۔ ۱۲۳۶ء) اور ان کے جانشینوں سے ہوتے ہوئے بالآخر مارہرہ میں شاہ برکت اللہ کو ملاتی ہے۔

یہ تبرکات اور اسی طرح مخصوص افراد کو بتائی گئی دعائیں اور اوراد ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہونے والی میراث کا حصّہ تھے مثلاً انیسویں صدی کے ایک صوفی (جن کے حالاتِ زندگی کا خاکہ آگے آتا ہے) کو ان کے ایک استاد سے چند قرآنی آیات پر مشتمل حرزِ یمانی پڑھنے کی خصوصی اجازت حاصل تھی۔ ان خصوصی اوراد کو اس قدر اہمیت دی جاتی تھی کہ جس دن ان کی اجازت دی جاتی وہ تاریخ محفوظ کرلی جاتی اور اس اجازت کو راہِ سلوک پر شاگرد کی ترقی کی علامت سمجھا جاتا تھا۔

یہ تبرکات، دعائیں اور سالانہ تقریبات بالخصوص اعراس خاندان برکاتیہ کی مشترکہ جمعیت کے اظہار کا اہم ذریعہ تھے۔ یہ اتحاد دوسرے سادات میں شادیوں (جو کبھی خاندان کی کسی دوسری شاخ میں بھی ہوتیں) کی احتیاطی نگرانی سے بھی محفوظ رکھا جاتا اور ''خاندان برکات'' کے مصنف جو اس گھرانے کے ایک فرد ہیں نے ماہرہ میں موجود اپنے ہر بزرگ کی قبر کی نشاندہی کی ہے۔ مردوں کی قبریں درگاہ کے ایک حصے میں واقع ہیں اور خواتین کی قبور دوسرے حصے میں۔ خاندان کا اتحاد نئے سجادہ نشین کے باہر سے انتخاب کے بجائے خاندان کے اندر ہی سے انتخاب کے ذریعے بھی محفوظ رکھا جاتا۔ بیٹوں کی غیر موجودگی اور کبھی ان کی موجودگی کی صورت میں بھی کسی قریبی مرد رشتہ دار مثلاً بھائی یا پوتے کو جانشین مقرر کیا جاتا۔ نوری میاں جن کے حالات آگے آتے ہیں کا معاملہ بھی اس کی ایک مثال ہے۔ نوری میاں خود اپنے ایک عزیز کے ساتھ اپنے دادا شاہ آل رسول (م۔ ۱۸۷۹ء) کے جانشین بنے اگرچہ ان کے اپنے

بیٹے موجود تھے اور جب خود نوری میاں کا وصال ہوا تو ان کے چچازاد ان کے جانشین ہوئے کیونکہ نوری میاں کی کوئی اولادِ نرینہ حیات نہ تھی۔

خاندانی اتحاد کی بقا کی یہ چند مثالیں ایک دوسرے پہلو کی طرف بھی اشارہ کرتی ہیں۔ ایک صوفی پیشوا کی جانشینی اور اس کی روحانی اور دنیاوی میراث پر حق کئی دفعہ خاندان کے فریقین میں اختلاف کا بھی باعث بنتا۔ مثلاً شاہ آلِ رسول کے وصال کے بعد نوری میاں ابتداءً اپنے چچا کے نائب بنے مگر بعد میں دونوں مشترکہ طور پر سجادہ نشین بن گئے۔ خاندان کی تواریخ جیسے پیش نظر ماخذ (''خاندانِ برکات'') جو ان واقعات کو از سرِ نو بیان کرتی ہیں وہ خود کسی انفرادی نقطۂ نظر کی حمایتی نظر آتی ہیں۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا کہ کسی بھی صوفی بزرگ کا عرس سالانہ تقریبات میں ایک اہم موقع ہوتا۔ برطانوی راج میں مسلم ریاست رامپور سے شائع ہونے والے اردو اخبار دبدبۂ سکندری کے مطابق نوری میاں کا عرس ہر سال چار سے چھ دن تک جاری رہتا تھا۔ ہمارے پاس دستیاب شماروں کے مطابق ۱۹۱۲ء میں ہونے والے پانچ روزہ عرس نوری کے ابتدائی دو روز ختم قرآن، پیغمبر (ﷺ) کی شان میں نعت خوانی اور خطباتِ علما پر مشتمل تھے۔ تیسرے روز خرقہ پوشی کی رسم ہوئی جس میں صاحب سجادہ نے روایت کے مطابق (حضرت) علی کا خرقہ پہنا اور نوری میاں کی قبر پر فاتحہ خوانی کی نیز خاص وصال کے وقت رسم قل ادا کی گئی۔ چوتھے روز تبرکات نبوی و (حضرات) حسن، حسین اور شیخ عبدالقادر کے تبرکات کی زیارت کا اہتمام کیا گیا۔ آخر میں پانچویں روز مزار کو غسل دیا گیا۔ ان روایات سے برکاتی سادات شریعت پر شعوری عمل کو شرکا کے لیے باعثِ ثواب سمجھتے اور نازاں ہوتے۔

اگر ہم نوری میاں کے اعراس کا سال بہ سال جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عرس کے عمومی خدوخال میں تبدیلیاں بھی ہوتی تھیں۔ بعض اوقات عرس کا اصل پروگرام ناگزیر وجوہات کی بنا پر تبدیل بھی ہوتا مثلاً ۱۹۲۱ء کا عرس۔ بعض اوقات رسوم جیسے سماع اور قوالی بھی شامل ہوتیں جو دیگر سالوں میں غائب تھیں۔

نوری میاں کی سوانح

نوری میاں اپنے والد کی طرف سے حسنی زیدی سید جبکہ والدہ کی طرف سے آپ بیسویں پشت میں حضرت سید محمد صغرہ بلگرامی کی نسل میں سے تھے۔ آپ کے بزرگ جدی پشتی پیشوا اور مقتدا رہے۔ ۱۸۔۱۲۱۷ء میں بلگرام کی فتح کے بعد خاندان بلگرام میں ہی آباد ہو گیا۔ تاہم خاص تاریخ کے معاملے میں روایات مختلف ہیں۔ ۹۔۱۶۰۸ء میں نوری میں غوث (ایک صوفی منصب جس کے معنیٰ مدد گار ہیں) اور مارہرہ کے قطب (روحانی مدار) کا منصب ملا اور وہ مارہرہ میں قیام پزیر ہو گئے۔[۱]

ا۔ نوری میاں کا بچپن اور اپنے دادا سے قربت

نوری میاں ۱۹ شوال ۱۲۵۵ھ (۲۶ دسمبر ۱۸۳۵ء) کو مارہرہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش (ان کے دادا) شاہ آلِ رسول رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ نوری میاں کو اکتالیس سال تک ان کے ساتھ اور خدمت کا موقع ملا۔ جب نوری میاں کی عمر ڈھائی سال تھی تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ان کی پرورش کی ذمّے داری ان کے دادا نے اپنے ذمّے لے لی۔ ان کے دادا ان میں بہت دل چسپی لیتے اور انھوں نے (نوری میاں کو) تلاوت و وظائف سکھائے۔

کم سنی میں ہی نوری میاں اپنے دادا کے ساتھ نماز پڑھتے، ان کے ساتھ درگاہ تک جاتے اور ساتھ بیٹھتے تھے۔ نوری میاں دن اور رات ان کے ساتھ رہتے اور نوری میاں سے سیکھتے رہتے۔ جب ان کے مکتب جانے کا دور آیا تو شاہ آلِ رسول نے ایک گروہ اساتذہ کو اس کا ذمّے دار بنایا، مگر اس کے باوجود شاہ آلِ رسول خود ان کا خیال رکھتے تھے۔ بظاہر وہ یہ کہتے کہ اس کی وجہ (نوری میاں) کی کم عمری میں یتیمی تھی مگر دراصل وہ نوری میاں کو اپنا جانشین اور وارث بنانا اور اپنی شفقت کا تاج پہنانا چاہتے تھے۔ نوری میاں نے قرآنِ کریم، صرف، فقہ، اصول فقہ، منطق، حدیث اور قرآنی علوم ماہر اساتذہ سے پڑھے۔ ساتھ ہی انھوں نے تصوف اور سلوک عرفا سے اخذ کیے۔ نوری میاں کی عمر گیارہ سال ہوئی تو آپ کے والد کا بھی انتقال ہو گیا۔

نوری میاں کی پہلی اہلیہ رقیہ بیگم تھیں جو ان کی چچازاد تھیں جب کہ دوسری اہلیہ الفت فاطمہ ان کی پھوپھی کی بیٹی تھیں تاہم ان دونوں عقود سے ان کی اولاد نہیں تھی۔ ۲؎

نوری میاں کے بدایوں کے صوفی پیروں اور احمد رضا خاں سے تعلقات

شاہ آلِ احمد اچھے میاں (۱۷۴۷۔۱۸۱۹ء) کے دور میں خاندانِ برکات کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ ان کی خصوصی برکتیں بدایوں کے قصبے کو حاصل ہوئیں اور ان کے زمانے سے بدایوں کا مشہور عثمانی خاندان حلقۂ ارادت میں داخل ہو گیا۔ شاہ عبدالمجید بدایونی جب اچھے میاں کے مرید ہوئے تو دونوں خاندانوں کے درمیان روابط مزید قریب ہو گئے۔ شاہ عبدالمجید بدایونی کے وصال کے بعد ان کے بیٹے شاہ فضلِ رسول بدایونی ان کے سجادہ نشین ہوئے۔ انھوں نے کئی کتب تصنیف کیں اور کئی افراد ان کے شاگرد ہوئے جن میں نوری میاں خصوصیت کے حامل تھے۔ ۳؎

نوری میاں کے شاہ فضلِ رسول بدایونی کے صاحبزادے شاہ عبدالقادر بدایونی (م ۱۹۰۱ء) اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی (م۔۱۹۲۱ء) سے قریبی تعلقات تھے۔ شاہ عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں نے مشترکہ طور پر تحریکِ ندوہ کے لیے شدید مشکلات کھڑی کیں۔ ان دونوں حضرات کا اسلامی قانون کے باریک نِکات پھر تبادلۂ خیال ہوتا اور وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کی طرف قیام بھی ہوتا۔ احمد رضا خاں نوری میاں کے دادا شاہ آلِ رسول کے مرید تھے اور شاہ آلِ رسول کے بعد نوری میاں کو اپنے پیر کی طرح مانتے تھے حالانکہ نوری میاں اصل میں ان کے پیر بھائی تھے یعنی دونوں ایک ہی مرشد کے مرید تھے۔

نوری میاں کا طرزِ زندگی اور شاہ آلِ رسول سے ان کی عقیدت

نماز و دیگر عبادات اور خلوت نشینی سے فرصت کے بعد نوری میاں اپنا وقت خدام کی خبر گیری، عرضیاں پیش کرنے والوں کی سنوائی، خطوط کا جواب دینے، بیماروں کی عیادت کے لیے، تعویذات لکھنے، ضروری آرام کرنے اور پھر کچھ وقت اپنی کتابوں کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں گزارتے۔ اس کے ساتھ وہ شاہ آلِ رسول سے انتہائی عقیدت کا اظہار کرتے اور خود کو ان کے دربار میں ہدایات سننے کے لیے پیش کرتے۔

اس کے ساتھ وہ لاکھوں خدام کی دیکھ بھال کے بھی ذمّے دار تھے۔ طرح طرح کے مسائل آپ کے سامنے روزانہ پیش کیے جاتے جن کا وہ فیصلہ فرماتے۔ انھوں نے کبھی کوئی کام کل پر نہیں ٹالا۔ ان کے ہر فعل میں شریعت وطریقت کی تعلیمات ان کی راہنما تھیں۔[۴۲]

نوری میاں اپنے مرشد (اور ان سے وابستہ شخص) سے نہایت محبت واحترام کے ساتھ پیش آتے۔ وہ اپنے استاد کے حکم کی پیروی کرتے، ان کے دربار میں حاضر ہوتے، ان کے ساتھ کے متلاشی رہتے اور مکمل طور پر ان میں منہمک رہتے۔ ان کے چہرے پر وہی اتار چڑھاؤ تھا، ان کی شخصیت کا وہی حال تھا، ان کی چال وہی تھی اور جب وہ بولتے تو ان کا لہجہ ویسا ہی ہوتا جیسا ان کے مرشد کا تھا۔ ان کے کپڑے، اور ان کا برتاؤ بھی اپنے مرشد کی طرح تھا۔ ان کی عقیدتوں اور تعلقات میں ان کا وہی مسلک تھا جو اُن کے شیخ کا تھا۔ دن کے آرام ورات کی نیند سے پہلے خاص طور پر اپنے پیر سے ہر معاملے میں ہدایات اور ہر خطرے پر انتباہ حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے تھے۔

نوری میاں کی ۱۹۰۶ء میں وفات ہوئی اور اس کے بعد ہر سال ان کا یومِ وصال ویسے ہی منایا جاتا جیسا کہ اس صوفی سلسلے کے جملہ مشائخ خاندان کا منایا جاتا تھا۔ یومِ وصال ایک سالانہ تقریب یعنی عرس کے طور پر رجب (جو اسلامی سال کا ساتواں مہینہ ہے) میں منایا جاتا، اس لیے کہ اسی ماہ میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

۱۹۱۵ء میں نوری میاں کا عرس

اس سال نوری میاں کے مزار واقع مارہرہ میں ایک عرس ۱۰ تا ۱۵ رجب منعقد ہوا جس میں ہندوستان بھر کے مختلف حصّوں مثلاً بمبئی، کلکتہ، بھوپال، گوالیار، اجمیر، پاکپتن، بانکی پور، بہرائچ، رامپور، بریلی اور بدایوں وغیرہ سے لوگ تشریف لائے۔ صاحبِ مسند مولانا شاہ مہدی حسن قادری نوری نے بلا تفریق تمام مہمانوں کے لیے قیام وطعام کا بندوبست کیا۔ احمد رضا خاں بھی اپنے قریبی احباب اور تلامذہ کے ساتھ تشریف لائے۔ علما کے خطابات اور میلاد خوانوں کی پیغمبر محمد (ﷺ) کی شان میں نعتوں نے عرس کی رونق میں اضافہ کر دیا۔ آستانے کے داخلی راستے پر شیشوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ اسٹیشن سے

مزار تک گیس بتیاں تمام راستوں پر آویزاں تھیں۔ پولیس نے لوگوں کے بڑے اژدہام کے باوجود کسی ناخوش گواری کے واقع نہ ہونے کو یقینی بنایا۔ مقامی حکام نے سجادہ نشین کے انتظامات میں معاونت کی۔ گزشتہ سالوں کے مقابلے میں اس سال زیادہ افراد نے عرس میں شرکت کی۔ ایک مشاعرے کا بھی اہتمام کیا گیا، جس کے میزبان افتخار حسین مضطؔر خیر آبادی تھے اور مارہرہ کے ایک رئیس اس مشاعرے کے منتظم تھے۔ شعرا کی نفاست اور طرزِ بیاں ایک عمدہ دل چسپی کا سبب بنیں۔ آخر میں ایک محفلِ سماع کا بھی انتظام تھا نیز قوال حضرات کو انعامات بھی دیے گئے اور اس طرح عرس اختتام پزیر ہوا۔ ۵

۱۹۲۱ء میں نوری میاں کا عرس

معمول کے مطابق اس سال بھی عرسِ نوری قادری برکاتی ۲۱ تا ۲۳ مارچ ۱۹۲۱ء کو منایا گیا۔ پہلے دن صندل کی رسم آٹھ بجے سے رات دو(۲) بجے تک ادا کی گئی۔ یہ محفل بڑی درگاہ میں منعقد ہوئی۔ نعت خوانی کے ساتھ دوسری شب کو خرقہ پوشی کی تقریب ہوئی۔ اس موقع پر ایک پُر اثر نظم بدایوں کے ایک وکیل مولوی انصار حسین ظلاؔبی نے پڑھی۔ صبح قل کی فاتحہ پڑھی گئی؛ ہر روز باقاعدگی سے صبح و شام قرآن کی تلاوت اور نبی(صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان میں نعت اور منقبت خوانی ہوئیں۔ عرس سے ایک ہفتے قبل خاندان کی ایک خاتون کا لکھنؤ میں انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی میت ماہرہرہ لائی گئی اور درگاہ میں تدفین ہوئی۔ اس عظیم صدمے کی بنا پر لگتا تھا کہ اس سال عرس کو مؤخر کرنا پڑے گا اور اس سلسلے میں اخبارات میں اعلانات بھی شائع کروا دیے گئے، مگر پھر بالآخر عرس اصل تاریخ پر ہی منعقد کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس وجہ سے نیز وقت کی قلت کی بنا پر مؤخری کے اعلان کی تنسیخ کا ابلاغ نہ ہو سکا، لہٰذا عرس میں حاضرین کی تعداد معمول سے خاصی کم تھی عموماً ہر سال عرس میں ۲۰ ہزار افراد ہوتے تھے مگر اس سال صرف چار یا پانچ ہزار افراد نے شرکت کی۔ مہمانوں کا خیال عمدگی سے رکھا گیا۔ بلا تفریق ہر مہمان کو چٹائی، پانی کا گھڑا، لوٹا خوراک و چھالیہ وغیرہ ان کے مقامات پر مہیا کیے گئے۔ دن میں دو مرتبہ ان کے مقامات پر ان کو درگاہِ عالیہ سے کھانا پہنچایا جاتا تھا۔ یہ تمام انتظامات احمد رضا خاں کے ہمشیرہ زادے نے کیے تھے ان کے عمدہ

انتظام کی بدولت کسی بھی زائر کو کسی بھی قسم کی کوئی دقّت پیش نہیں آئی۔ قل کے موقع پر شاہ طفیل احمد بدایونی نے اتنے پر سوز انداز میں کلام پڑھا کہ تمام سامعین کی آنکھیں پُر نم ہو گئیں۔٦

مآخذ و مراجع

١۔ غلام شبیر قادری نوری بدایونی، تذکرۂ نوری: مفصل حالات و سوانح ابوالحسین نوری میاں مارہروی، لائل پور ١٩٦٨ء، ص ٥٣۔

٢۔ محمد میاں قادری، خاندان برکات، ١٩٢٧ء، ص ٣٠۔

٣۔ غلام شبیر بدایونی، تذکرۂ نوری، ص ٦ - ١٠۔

٣۔ غلام شبیر بدایونی، تذکرۂ نوری، ص ٥٩-٦٠، ٩١۔

٥۔ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رامپور، ٧ جون ١٩١٥ء، ج ٥٠، ش ٢٩، ص ٦-٧، مخزونۂ رضا لائبریری، رام پور، یوپی انڈیا۔

٦۔ ہفت روزہ دبدبۂ سکندری رامپور، ٦ اپریل ١٩٢١ء، ج ٥٧، ش ٢٩، ص ٤، مخزونۂ رضا لائبریری، رام پور، یوپی انڈیا۔

مزید مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں

١۔ ہندوستان میں اہلِ سنت تحریک (جس سے نوری میاں وابستہ تھے) کے مطالعہ کے لیے اُشا سانیال کی کتاب ”ڈیو وشنل اسلام اینڈ پالیٹکس اِن برٹش انڈیا: احمد رضا خاں بریلوی اینڈ ہز موومنٹ“، ١٨٧٠ء - ١٩٢٠ء، دہلی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ١٩٩٩ء۔

٢۔ اسلامی تجدید کے ایک وسیع منظر اور رجحانات کے مطالعہ کے لیے ملاحظہ کریں باربرا ڈی مٹکاف کی تصنیف ”اسلامک ریوائیول اِن برٹش انڈیا: دیوبند ١٨٦٠ء-١٩٠٠ء“، پرنسٹن این جے: پرنسٹن یونیورسٹی پریس، ١٩٨٢ء۔

٣۔ جنوبی ایشیاء میں تصوف اور اس کی اہم ترین شاخ سلسلۂ چشتیہ کے جائزہ کے لیے دیکھیں کرسٹین ڈیلوٹرول کی مرتب کردہ کتاب ”مسلم شیر ائن ان انڈیا: دیئر کریکٹر، ہسٹری اینڈ سگنی فیکنس“ (دہلی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ١٩٨٩ء)؛ کارل ڈبلو ارنسٹ اور بروس بی لارنس کی تصنیف ”صوفی مارٹیرز آف لَو، دی چشتی آرڈر اِن ساؤتھ ایشیا اینڈ بیانڈ“ (نیو یارک: پال گریو میکملن، ٢٠٠٢ء) نیز پی ایم کوری کی تصنیف ”دی شیر ائن اینڈ کلٹ آف معین الدین چشتی آف اجمیر“ (دہلی: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ١٩٨٩ء)۔

خریداری کا طریقہ

معارف رضا جرنل سال میں ایک بار شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایک شمارے کی قیمت درج ذیل ہے:

پرنٹ ایڈیشن

خریدار اداروں کے لیے اعلیٰ کاغذ ۷۰۰ روپے یا ۱۰ امریکی ڈالر / عام کاغذ ۳۰۰ روپے یا ۵ امریکی ڈالر

انفرادی خریداروں کے لیے اعلیٰ کاغذ ۴۵۰ روپے یا ۷ امریکی ڈالر / عام کاغذ ۲۵۰ روپے یا ۳ امریکی ڈالر

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے رقم ایڈوانس میں روانہ کریں۔ پاکستان کے قارئین رقم پاکستانی روپوں میں روانہ کریں؛ دیگر افراد اپنی رقوم ڈالر کی صورت میں بھیجیں۔ انفرادی خریداری کا نرخ صرف اس صورت میں لاگو ہوگا جب متعلقہ شخص دستی طلب کرے یا بذریعہ ڈاک طلب کرنے کی صورت میں رقم نقد یا اپنے ذاتی منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعے اپنے ذاتی پتے پر طلب کرے۔

معارف رضا سالنامے کے گزشتہ شمارے بھی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (ٹرسٹ) سے کی بُک شاپ سے دستیاب ہیں۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ)، ۲۵ جاپان مینشن، دوسری منزل، ریگل، صدر، کراچی۔ پوسٹ کوڈ ۷۴۴۰۰

فون: ۰۲۱-۳۲۷۲۵۱۵۰ فیکس ۰۲۱-۳۲۷۳۲۳۶۹ ای میل imamahmadraza@gmail.com

رقم کی ادائیگی کا طریقۂ کار

(۱) ادارے کے دفتر میں نقد رقم دستی (۲) بذریعہ منی آرڈر (۳) بذریعہ بینک ڈرافٹ جو ادارے کے بینک اکاؤنٹ نمبر ۵۲۱۴-۴۵ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، صدر، کراچی کے نام بنایا گیا ہو۔ منی آرڈر اور بینک ڈرافٹ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ) کے درج بالا پتے پر بھیجیں۔ معارفِ رضا رقم کی وصولی پر روانہ کیا جائے گا۔

مقالات کی اشاعت کے لیے اجازت

معارف رضا میں شائع شدہ مقالات اور دیگر مواد کی دوبارہ اشاعت کے لیے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کریں یا ادارے سے ای میل imamahmadraza@gmail.com پر رابطہ کریں۔

اشتہارات

معارف رضا میں اشتہارات کی اشاعت کے لیے رابطہ کریں:

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ)، ۲۵ جاپان مینشن، دوسری منزل، ریگل، صدر، کراچی۔ پوسٹ کوڈ ۷۴۴۰۰

فون: ۰۲۱-۳۲۷۲۵۱۵۰ فیکس ۰۲۱-۳۲۷۳۲۳۶۹ ای میل imamahmadraza@gmail.com

معارفِ رضا اُردو (آئی ایس ایس این ۸۵۶۳-۲۰۷۹) ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ) سالانہ شائع کرتا ہے۔

سالانہ ڈاک فیس جی پی او صدر کراچی اور دیگر اضافی داخلی مقامات پر اداشدہ ہے۔

اعلیٰ حضرت کی مِلّی خدمات

سید نور محمد قادری

واہ کینٹ، پاکستان

Abstract: Imam Ahmad Raza lived during the era which faced big political and religious differences. Sacrificing cows has been a part of Muslim Identity in South Asia so it was a point of differences between Hindus and Muslim. Raza guided the Muslims on this issue several times. Apart from this, Imam Ahmad Raza gave rulings to guide Muslims about different movements during the late nineteenth and early twentieth century. He clarified the real position of the event of Masjid Kanpur, Luckhnow Pact, attack of unionist on Aligarh College and Islamia College, the Khilafat Movement and the Noncooperation Movement in Islam.

Keywords: Anti-cowkilling Movement, Event of Masjid Kanpur, Luckhnow Pact, Khilafat Movement, Noncooperation Movement, Muslim League, Jamat Raza-e Mustafa.

خلاصہ: امام احمد رضا کا دور غیر منقسم ہندوستان میں سیاسی اور مذہبی کشمکش کا دور تھا۔ قربانی گاؤ اسلامی شعار ہونے کی بنا پر مسلمانوں کے لئے اہم تھی لہٰذا ترکِ گاؤکشی پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف تھا۔ امام احمد رضا نے اس اہم معاملے پر متعدد بار مسلمانوں کی بروقت راہنمائی فرمائی۔ اس کے علاوہ امام احمد رضا نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کی ابتدا میں مسلمانوں کے ملّی و سیاسی مسائل کا مذہبی حل پیش کیا۔ آپ نے واقعۂ مسجد کانپور، میثاقِ لکھنؤ، علی گڑھ کالج اور اسلامیہ کالج لاہور پر متحدہ قومیت کے حامیوں کی یلغار اور تحریک خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے موقع پر قوم کی رہبری اور رہنمائی کی۔

اہم الفاظ: گاؤکشی، واقعۂ مسجد کانپور، میثاقِ لکھنؤ، تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، مسلم لیگ، جماعتِ رضائے مصطفےٰ۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندو قوم نے ہر اس امر کو مٹانے کی کوشش کی جو انہیں مسلمانوں کا عہد یاد دلاتا تھا۔ خاص طور پر (۱) اردو زبان اور اس کا رسم الخط (۲) قربانی گاؤ۔ ان (ہندوؤں) کے نزدیک اُردو تو مسلمانوں کی مذہبی زبان کی حیثیت رکھتی تھی اور جب تک اس کا اثر ختم نہ ہو عام مسلمانوں کی مذہب سے دل چسپی ختم نہیں ہو سکتی۔ رہی گائے تو وہ ہندوؤں کی متبرک ماں تھی، لیکن اس کی قربانی مسلمان قوم کا مذہبی شعار تھا۔ اسلامی شعار کو زندہ رکھنے کے لیے، اعلیٰ حضرت (احمد رضا خان) بریلوی قادری علیہ الرحمہ (م ۱۹۲۱ء) نے بھر پور کوشش کی۔

مولانا احمد رضا خان کی سعی اور تحفظِ گاؤ کشی کا تاریخی جائزہ

جناب اللہ بخش یوسفی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

۱۸۵۷ء کے ہنگامے سے پہلے ہی پنجاب میں سکھ راج کے وقت سے ہی سرکاری طور پر تحفظِ گاؤ کشی کی سرپرستی شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ ۱۸۳۸ء میں شاہ شجاع (والی افغانستان)، رنجیت سنگھ اور انگریز نمائندے کے درمیان شملہ میں جو معاہدہ ہوا تھا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جن اوقات میں رنجیت سنگھ اور شاہ شجاع کا لشکر ایک ہی جگہ مقیم ہو وہاں گائے نہ کاٹی جائے گی۔ ۱؎

یہ حالت تو تھی ۱۸۳۸ء اور صرف پنجاب میں جہاں سکھوں کی حکومت تھی، لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ہر جگہ تحفظِ گاؤ کشی کی انجمنیں قائم ہونے لگیں۔ کئی جگہ خون خرابے بھی ہوئے، یہاں تک کہ ۱۲۹۸ھ\۱۸۸۰ء میں ہندوستان کے مختلف شہروں کے لوگوں نے استفتا مرتب کر کے علماءِ اسلام کو بھیجے تاکہ وہ تفصیل سے اس مسئلے پر روشنی ڈالیں۔ چنانچہ شوّال المکرم ۱۲۹۸ھ\۱۸۸۰ء کو مراد آباد سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کو اس مضمون کا استفتا بھیجا گیا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ مذہبِ حنفیہ اس مسئلہ میں کہ گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے یا اگر کوئی شخص معتقد اباحت ذبح ہو مگر کوئی گائے اس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو ہر چند کہ اکل اس کا جائز جانتا ہو تو اس کے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور وہ کامل مسلمان رہے گا۔ گاؤ کشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہگار ہوتا ہے، یا اگر کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے صرف اباحت ذبح کا دل سے معتقد ہو تو گناہ گار نہ ہو گا، جہاں بلاوجہ اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ و فساد اور معفضی بہ ضرر اہل اسلام ہو اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداریِ اہل اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے یا یہ کہ بلا سبب ایسی حالت میں بقصد اثارت فتنہ و فساد، ارتکاب اس کا واجب ہے اور قربانی اونٹ کی معتبر ہے یا گائے کی بیّنوا و توجروا۔ ۲؎

یہ استفتا بقول علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری علیہ الرحمہ سابق صدر شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اہل ہنود کی طرف سے مرتب کیے گئے اور بنام زید و عمرو مختلف شہروں سے علمائے کرام کو بھیجے گئے۔ ۳۳

مولانا احمد رضا خاں کا جواب

مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمہ نے اس استفتا کا متّصل اور مدلل جواب لکھا اور سائل کے تمام شکوک و شبہات کا مسکت جواب دیا۔ ان کا یہ جواب رسائلِ رضویہ جلدِ دوم کے نو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس فتوی میں مولانا احمد رضا خان قرآن و حدیث سے نفس قربانی اور قربانی گاؤ پر تفصیلی بحث کے بعد سائل کے تمام شبہات و اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ و فساد ہو، ہم کہتے ہیں کہ جن مواضع میں مثل بازار و شارع عام وغیر ھما، گاؤ کشی کی قانونی ممانعت ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اثارت فتنہ و فساد اس کی طرف منسوب ہو سکتی ہے اور وہ قانوناً مجرم قرار پائے گا۔ اور اس امر کو ہماری شرع مطہر بھی روا نہیں رکھتی کہ ایسی وجہ سے مسلمانوں پر مواخذے یا انہیں سزا ہونے کا باعث ہونا بے شک توہینِ مسلم ہے جس کا مرتکب یہ شخص ہوا۔ نظیر اس کی سب و شتم الٰہیہ باطلۂ مشرکین ہے کہ شرع نے اس سے ممانعت فرمائی ہے اگرچہ فی نفسہٖ جرم متحقق نہ تھا۔ قال تعالیٰ اللہ "ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم "اور جہاں "قانوناً" ممانعت نہیں وہاں اگر ثوران فتنہ و فساد ہو گا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہو گا اور جرم انہی کا ہے کہ جہاں گائے ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے ان کے جرم کے سبب ہم اپنی رسوم مذہبی ترک کر سکتے ہیں؟ یہ حکم بعینہٖ ایسا ہوا کہ کوئی شخص اغنیا سے کہے تمہارا مال جمع کرنا باعث ثوران فتنہ و فساد و ایذائے خلق اللہ ہے کہ نہ تم مال جمع کرو نہ چور چرانے آئیں نہ وہ بید و قید کی سخت سزا پائیں، اس احمق کے جواب میں بھی کہا جائے گا کہ چوری چور کا جرم ہے اس کے سبب ہمیں جمع مال سے کیوں ممانعت ہونے لگی اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ و فساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ کے ہنود کو قطعاً اس رسم کے لیے اٹھا دینے کی سہل تدبیر ہاتھوں آئے گی جہاں چاہیں گے فتنہ و فساد برپا کریں گے اور بزعم جہال شرع ہم پر ترک واجب کر دے گی اور اس کے سوا ہماری جس رسم مذہب کو چاہیں گے اپنے فتنہ و فساد کی بنا پر بند کرا دیں گے اور یہی واقعہ ان کے لیے نظیر ہو جائے گا کہ ایسی صورت میں تم پر اپنی رسم کا ترک شرعاً واجب ہے۔ یا من جملہ خلاصہ جواب یہ ہے کہ بازار و شارع عام میں جہاں قانوناً ممانعت ہے براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بے شک مسلمانوں کو توہین عدالت کے لئے پیش کرنا ہے کہ شرعاً حرام ہے اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بے جاہٹ کو بجا رکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہر گز جائز نہیں بلکہ ان مضرات و مذلات کا باعث ہے جس کا ذکر ہم اول کر آئے ہیں جنہیں شرع مطہر ہر گز گوارا نہیں کرتی۔ ۳۴

۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء میں اس مسئلے میں مزید شدت پیدا ہو گئی اور مشہور کانگریسی لیڈر تلک مہاراج نے سیواجی کو قومی ہیرو قرار دیا اور گنپتی کا تہوار منانے کا فیصلہ کیا جس میں ہر سال مسلمانوں کے محرم کے موقع پر ایک دیوتا کا بت ہاتھی پر سوار کر کے ہر گاؤں میں پھرایا جاتا اس موقع پر تلک نے ایک تحفظ گاؤ کشی مجلس قائم کی جس کی تمام ہندوستان میں شاخیں قائم کر دی گئیں۔[۵] اس موقع پر مسلمانان ہند نے پھر مولانا بریلوی سے رجوع کیا اور ربیع الاول ۱۳۱۲ھ کو بدیں الفاظ "مجلس داد خواہی مسلمانان بریلی" کی طرف سے استفتا بھیجا گیا کہ:

دعوی قربانی کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں، بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے کہ کتاب مذکورہ میں قربانی گاؤ کی ہدایت نہیں ہے، مدعی خلاف اس کے بغرض دکھانے مذہب ہنود کے جس کے دھرم شاتر میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے چوں کہ یہ بیان ان کے متعلق قرآن شریف و مسائل مذہب کے لیے ہے لہذا علما کی خدمت میں یہ استفتا ہے کہ یہ بیانِ ہنود صحیح ہے یا غلط؟[۶]

اس استفتا کا مولانا بریلی نے پھر مفصل جواب لکھا جو بڑے سائز کے سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ تفاسیر قرآنِ پاک اور احادیثِ نبوی ﷺ سے قربانی گاؤ ثابت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ہائی کورٹ نے مقدمہ قربانی نمبری ۶۷۸ میں تاریخ ہنود زمانہ پیش سے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنی دینی رسوم میں "گیومیدہ" یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے اور متقدمین ہنود نے اس کی تاکید کی تھی۔ تو ثابت ہوا کہ ہنود اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گاؤ کی صاف صریح اجازت ہے امر مذہبی میں مزاحمت بے جا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جس کا عقلاً، عرفاً، قانوناً کسی طرح انہیں اختیار نہیں۔[۷]

چونکہ اس وقت مسلمانوں کی کوئی باقاعدہ سیاسی تنظیم نہیں تھی اس لئے مذہبی شعار کو قائم رکھنے کے لئے انفرادی طور پر کوشش ہوتی رہیں، لیکن ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے قائم ہونے کے بعد مسلم لیگ نے اس مذہبی شعار کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

استفتا مسلم لیگ بریلی

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء میں ضلع مسلم لیگ بریلی کے جوائنٹ سیکریٹری سید عبد الودود نے اس مسئلے کو پھر مولانا بریلوی کی خدمت میں بدیں الفاظ پیش کیا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہنود کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہو رہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤ کشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انہوں نے ایک بہت بڑی عرض داشت گورنمنٹ کو پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے جس پر کروڑوں باشندگان ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں بعض ناعاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرض داشت پر ہندوؤں کے کہنے سے دستخط کررہے ہیں۔ ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا حکم کیا ہے اور اس مذہبی رسم کے، جو شعائر اسلام میں سے ہے، بند کرانے میں مدد دینے والے گناہ گار اور عند اللہ مواخذہ دار ہیں یا نہیں ؟[۸]

جواب مولانا بریلی

چونکہ مولانا پہلے بھی دو دفعہ اس مسئلے پر تفصیل سے بحث کر چکے تھے اس لیے انہوں نے مختصراً جواب دیا جو یہ ہے: ”فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب قرآن مجید میں متعدد جگہ موجود ہے۔ اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔ واللہ اعلم۔“[۹] ادھر علمائے حق اور مسلم لیگ کے لیڈر اس مذہبی شعار کو زندہ اور قائم رکھنے کی کوشش کر رہے تھے ادھر کانگریس کے حامی نام نہاد مسلمان اس مذہبی رسم کو ختم کرانے کی جو ناکام کوشش کر رہے تھے اس کی تفصیل مولانا عبد القادر بلگرامی نے اپنے کتابچہ ”گاندھی کے نام کھلا خط“ میں بیان کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

۵نومبر ۱۹۱۳ء کو مشیر حسین قدوائی نے روزنامہ ”ہمدرد“ میں ایک مضمون چھپوایا جس میں مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ چوں کہ اجودھیا ہندوؤں کا مقدس مقام ہے اس لئے وہ یہاں ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی موقوف کردیں۔ نومبر ۱۹۱۳ء ہی میں مسٹر مظہر الحق صاحب نے ”ہمدرد“ ہی میں یہ اپیل شائع کروائی کہ مسلمان کانپور اور اجودھیا میں گائے کی قربانی نہ کیا کریں۔ ۱۹۱۹ء میں مولانا حسرت موہانی نے خود کٹار پور جاکر یہ کوشش کی کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کی خاطر گائے کی قربانی ہمیشہ کے لئے ترک کردیں۔ دسمبر ۱۹۱۹ء میں ڈاکٹر انصاری صاحب کی کوشش سے مسلم لیگ نے یہ ریزولیوشن پاس کیا کہ مسلمان ہندوؤں کے جذبات کا لحاظ کریں اور گائے کی قربانی از خود ترک کردیں۔ مولانا عبد الباری کا بیان اخبارات میں شائع ہوا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ گائے کی قربانی یک قلم موقوف کردیں۔ ۱۹۱۹ء میں حکیم محمد اجمل خان نے مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کے صدارتی خطبے میں کہا کہ ہندوؤں کے مقدس شہروں کاشی، اجودھیا، متھرا اور بندرابن وغیرہ میں گائے کی قربانی فوراً ختم کردی جائے اور ایک کمیٹی بنائی جائے جو تمام ہندوستان میں گائے کی قربانی بند اکرانے کی کوشش کرے۔[۱۰]

مولانا عبد القادر بلگرامی صاحب نے اپنے اس بے مثل کتابچہ جس میں پہلی بار ۱۹۲۰ء میں انہوں

نے تقسیمِ ہند کی واضح اور باضابطہ تجویز پیش کی تھی، پچاس صفحات صرف مسئلۂ قربانیِ گاؤ کے لیے مختص کیے۔ مولانا بلگرامی اور مولانا احمد رضا خان کے علاوہ مولوی محمد فاروق چریا کوٹی، سید محمد سلیمان اشرف شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، مولانا امجد علی مصنف "بہار شریعت" اور مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے بھی اس مسئلے پر مستند کتابیں اور رسائل تحریر کیے۔ یہ تھی مختصر کہانی "قربانیِ گاؤ" اور "تحفظِ گاؤ کشی" کی اور مولانا بریلوی کی اس سلسلے میں مساعیِ جمیلہ کی۔ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وقت کے دیگر مسائل مثلاً واقعۂ مسجد کانپور، میثاقِ لکھنؤ، علی گڑھ کالج پر متحدہ قومیت کے پرستاروں کی یلغار اور تحریکِ عدمِ تعاون کے موقع پر قوم کی رہبری اور رہنمائی کی۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

واقعہ مسجد کانپور

مسجدِ کانپور کے المیے کے بارے میں سیّد رضا صاحب لکھتے ہیں:

مسجدِ کانپور کا واقعہ انگریزی تدبر کی بدترین مثال ہے۔ مچھلی بازار کی مسجد کے، جو لبِ سڑک ہے، کچھ غسل خانے جانبِ مشرق واقع تھے۔ جب نئی سڑک نکلی تو گورنمنٹ نے قانونی کارروائی کے ذریعے سے غسل خانوں کی زمین کو حاصل کر لیا، مسلمان چیختے چلاتے رہے کہ مسجد کا جزو ہونے کی وجہ سے غسل خانوں کی اراضی قانوناً حاصل نہیں کی جا سکتی مگر کچھ شنوائی نہیں ہوئی۔ آخر وقت میں گورنمنٹ (یعنی گورنر) سے بھی رجوع کیا گیا مگر گورنمنٹ نے معمولی بات سمجھ کر مداخلت سے انکار کر دیا۔ کانپور کے کلکٹر اس زمانے میں مسٹر ٹائلر اور امپرومنٹ ٹرسٹ کے چیئرمین مسٹر سم تھے۔ آخر جولائی ۱۹۱۳ء میں مسٹر سم کی تحریک پر پولیس کی مدد سے غسل خانے منہدم کر دیے گئے اور امپرومنٹ ٹرسٹ نے برائے نام قبضہ لے لیا۔ انہدام کی خبریں شائع ہونے پر مسلمانوں میں بے چینی پیدا ہوئی اور اسلامی اخباروں میں اسی کارروائی پر احتجاج کیا گیا۔ ہم مسلمان جذباتی قوم ہیں جس کا حال ہم خود کو بھی معلوم ہے اور گورنمنٹ کو بھی۔ تیسری اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان مچھلی بازار کی جامع مسجد میں جمع ہوئے اور منہدم غسل خانوں کی جو اینٹیں موقع پر موجود تھیں وہ بغیر مسالہ یا گارے کے ایک کے اوپر ایک رکھنا شروع کر دیں... مقامی حکام نے مسلح پولیس کو بلا کر مجمع پر بے تحاشا بندوقوں کے فائر اور بھالوں کے وار کیے۔ بہت سے آدمی جان سے مارے گئے اور بہت سے زخمی ہوئے۔[۱۱]

جناب رئیس احمد جعفری صاحب تحریر کرتے ہیں:

اس واقعے کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف مسجد کی بازیابی کے لیے جلسے جلوس ہونے لگے۔ علمائے کرام اور مشائخ عظام میدان میں آ گئے۔ ۱۶ اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے۔ لیفٹننٹ گورنر سے ملا اور اس پر واضح کیا کہ تمام مسجد یکساں طور پر متبرک و

مقدس سمجھی جاتی ہے خواہ وہ غسل خانہ ہو، سیڑھی یا منبر۔ اس لیے مسجد کے کسی حصّے پر قبضہ نہیں کیا جاسکتا۔ ۱۲؎

آخر کار مولانا عبد الباری فرنگی محلی، راجہ صاحب اور سر رضا علی کی کوششوں سے گورنمنٹ سے مندرجہ ذیل شرائط پر صلح ہو گئی:

اوّل: مسجد کی سطح چوں کہ زمین سے کئی فٹ بلند تھی اس لیے جس جگہ غسل خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لیے جائیں گے، مگر نیچے کی زمین پر فٹ پاتھ بنا دیا جائے تاکہ راہ رواس پر سے گزر سکیں۔

دوم: فوج داری کا وہ مقدمہ جس میں مسلمان ملزم سیشن سپرد ہو چکے تھے اور جس کی سماعت کے لیے مسٹر ڈی آر لائل کی عدالت میں تاریخ مقرر تھی وہ اٹھا لیا جائے گا اور جملہ ملزمان بری کر دیے جائیں گے۔ ۱۳؎

چوں کہ اس سمجھوتے میں اسلامی فقہ کے مسلّمہ اصول "وقف بالعوض یا بلا عوض قابلِ انتقال نہیں" کی صریحاً خلاف ورزی کی گئی تھی اور مسلمان فریق میں شامل حضرات میں سے واحد عالم دین صرف مولانا عبد الباری فرنگی محلی تھے، اس قدرتی طور پر علما اور عوام نے ان کو مطعون کیا اور فیصلے کی تردید میں کافی کتابیں اور رسالے لکھے گئے۔ اس تردیدی لٹریچر میں اعلیٰ حضرت کی تصنیف "ابانۃ المتواری" اور حاجی مقتدی خان شروانی کی "ابلیس کا خطبۂ صدارت" نمایاں حیثیت کی مالک تھیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے موقف کہ "وقف بالعوض یا بلا عوض قابل انتقال نہیں" کے ثبوت میں قرآن، احادیثِ مبارکہ اور فقہ شریف سے دلائل و براہین کے انبار لگا دیے اور وقف کے ہر پہلو کو اس طرح واضح فرمایا کہ مخالفین کے دلائل کی حیثیت پر کاہ کے بھی برابر نہ رہی۔ مذکورہ رسالے کے جواب میں مولانا عبد الباری نے (خدا جانے کسی مصلحت کی بنا پر) دفاع کرنے کی ناکام کوشش کی تو اعلیٰ حضرت نے جواباً "قوامع الواہیات" شائع کر کے مولانا فرنگی محلی کے غلط مفروضے کے تار و پود کو اس طرح بکھیر دیا کہ اس کے بعد مولانا عبد الباری یا کسی اور لیڈر کو اعلیٰ حضرت کے صحیح موقف سے اختلاف کرنے کی جرات نہ ہوئی اور نہ ہی حکومتِ برطانیہ کو اس کے بعد مسلمانوں کے متبرک مقامات کی ہتک کرنے کی ہمت ہوئی اس

طرح اسلامی فقہ کا مذکورہ مسئلہ یارکن اعلیٰ حضرت کی کوشش سے ہمیشہ کے لیے مصلحت پرستوں کی دستبرد سے محفوظ ہو گیا۔

میثاقِ لکھنؤ

اس میثاق کی تفصیل جناب محمد احمد خان نے اپنی تصنیف ''اقبال کا سیاسی کارنامہ'' میں اس طرح بیان کی ہے:

۱۹۱۵ء میں کانگریس و مسلم لیگ میں مفاہمت کی کوشش شروع ہوئی اور بالآخر ۱۹۱۶ء میں ان دونوں جماعتوں کے مابین وہ معاہدہ طے پایا جو میثاقِ لکھنؤ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میثاق کو ہندوستانی سیاست میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ذریعے مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دیا گیا تھا اور صوبائی مجالس مقننہ میں مسلم نشستوں کا اسی طرح تعین کیا گیا تھا کہ جہاں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں ان کی آبادی کے تناسب سے کچھ نشستیں گھٹا دی گئی تھیں اور جہاں وہ اقلیت میں تھے وہاں ان کو آبادی کے تناسب سے کچھ زیادہ نشستیں دی گئی تھیں۔ اس طریقے کو اصطلاح میں پاسنگ کہا جاتا ہے یہ بھی طے پایا کہ مرکزی مقننہ میں ۵۰۴ منتخب شدہ اراکین ہوں اور مسلمان اراکین کا تناسب منتخب شدہ اراکین کے ایک تہائی کے مساوی ہوگا اور اس امر پر بھی راضی نامہ ہو چکا تھا کہ اگر کسی جماعت کے تین چوتھائی اراکین مسودۂ قانون یا تحریک کی مخالفت کریں تو ایسا مسودۂ قانون یا تحریک ایوان میں پیش نہیں کی جاسکے گی۔[۱۴]

بظاہر دلکش اور مفید یہ میثاقِ لکھنؤ اپنے اندر بہت سے مضمرات لئے ہوئے تھا۔ جو کسی وقت بھی مسلمان قوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتے تھے اس لئے حضرت علامہ محمد اقبال اور اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہم نے اس کی شدید مخالفت کی مولانا عبدالمجید سالک رقم طراز ہیں :

علامہ اقبال اس میثاق کے مخالف تھے کیوں کہ اس کے ماتحت مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلمانوں کو موثر اقتدار نہ ملتا تھا اور مسلم اقلیت والے صوبوں میں پاسنگ کی وجہ سے ان کو کوئی خاص فائدہ نہ پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ علامہ (اقبال) کا خیال یہ تھا کہ ایسا میثاق اسی صورت میں مفید ہو سکتا ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی داغ بیل ڈالنا منظور ہو اور حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں قومیت متحدہ کی تعمیر ناممکن ہے اور نہ اس کے لیے کوئی کوشش کرنا مفید ہے۔[۱۵]

اعلیٰ حضرت نے بھی اس معاہدے کی مخالفت اسی بنا پر کی تھی کہ یہ درپردہ مسلم قومیت کو ختم کرنے کی کوشش ہے۔ ممتاز مسلم لیگی رہنما سید ہاشم رضا تحریر کرتے ہیں؛''۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنؤ کے

ذریعے اتحاد کی کوشش کی گئی لیکن مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے مخالفت کی اور ہندو مسلم کی الگ الگ قومیت کا نعرہ بلند کیا۔"[۱۶]

تحریکِ ترکِ موالات و خلافت

یہ ایک ایسی تحریک تھی جس سے مسلمانوں نے پایا کم، کھویا زیادہ۔ یہ تحریک بڑی نیک اور پاکیزہ مقاصد لے کر اٹھی تھی لیکن ناعاقبت اندیش مسلمان لیڈروں اور علما نے اس تحریک کو برصغیر کے مکار ترین لیڈر کی جھولی میں ڈال دیا تو یہ تحریک اپنے مقاصد سے بہت دور چلی گئی اور تحریک کے ذمّے داران مسلمان افراد سے ایسے ایسے ایمان سوز افعال واقوال سرزد ہوئے کہ ان کے ذکر سے اب بھی (اتنے سال گزرنے کے بعد) رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بمصداق "نقلِ کفر کفر نہ باشد" چند اقوال و افعال ملاحظہ ہوں:

۱۔ مولانا ظفر الملک علوی ایڈیٹر "الناظر" نے کہا، "اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔"[۱۷]

۲۔ مولانا شوکت علی نے ارشاد فرمایا، "زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا؛ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا راضی ہوگا۔"[۱۸]

۳۔ مولانا محمد علی جوہر فرماتے ہیں، "میں اپنے لیے بعدِ رسولِ مقبول ﷺ گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں۔"[۱۹]

ان نام نہاد مسلمانوں نے اس پر ہی بس نہ کی بلکہ بقول خان عبدالوحید خان "جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند سے تقریریں کرائی گئیں، ایک ڈولی میں قرآن اور گیتا رکھ کر جلوس نکالے گئے، مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بتوں کو گھروں میں آویزاں کیا گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا، گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاویٰ تقسیم کیے گئے۔"[۲۰] جو اصحاب مزید تفصیل میں جانا چاہیں وہ درج ذیل کتب کا مطالعہ کریں:

۱۔ ''المحجتہ الموتمنہ'' از اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی
۲۔ ''گاندھی کے نام کھلا خط'' از عبد القادر بلگرامی
۳۔ '' تحقیقاتِ قادریہ'' از مولانا جمیل الرحمٰن بریلوی
۴۔ ''النور'' از سید محمد سلیمان اشرف
۵۔ ''مسلمانوں کا ایثار اور جنگِ آزادی'' از خان عبد الوحید خان، وغیرہ

جب علمائے حق نے ہادیِ برحق ﷺ کے لائے ہوئے دین کو اس طرح بازیچہ اطفال بنتے دیکھا تو ان کی ایمانی عزت، غیرت اور دینی عصبیت بھڑک اٹھی اور اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کے دین کو بچانے اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے میدان میں کود پڑے۔ چناچہ مولانا احمد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے جہاں ذاتی طور پر اپنے قلم سے ان ناعاقبت اندیش نام نہاد مسلمان لیڈروں کے کفریہ کلمات و افعال کی تردید میں کتب و رسائل تصنیف کیے، وہاں بریلی میں کل ہند مرکزی ''جماعت رضائے مصطفٰے'' قائم کی جس نے اس سلسلے میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) تحریکِ عدمِ تعاون و خلافت کے لیڈروں میں صرف مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی ذاتِ گرامی ہی ایسی ہستی تھی جو ماہر اسلامیات اور مذہبی رہنما کے طور پر مسلمہ حیثیت رکھتی تھی۔ دوسرے رہنماؤں مثلاً مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، اور ظفر الملک وغیرہ کا شمار نہ تو عالموں میں تھا اور نہ ہی وہ اسلامی فقہ پر عبور رکھتے تھے۔ چنانچہ مولانا فرنگی محلی کے غیر محتاط خلافِ اسلام کلمات اعلیٰ حضرت کی نظر سے گزرے تو ان کا دل خون کے آنسو رونے لگا۔ خط و کتابت کے ذریعے افہام و تفہیم چاہی، لیکن مولانا فرنگی محلی پر گاندھی کی عقیدت کا نشہ اس قدر طاری تھا کہ اعلیٰ حضرت کی یہ مساعی بار آور نہ ہوئی تو پھر آپ نے مجبور ہو کر ''الطاری الداری لھفوات عبد الباری'' مولانا عبد الباری کے رد میں تصنیف فرمائی اور سخت لہجے میں مولانا عبد الباری کو حضور ﷺ کا پیغام سنایا اور بدلائل قاہرہ ان پر واضح کیا کہ آپ جس راہ پر چل رہے ہیں وہ کوئے یار کی طرف نہیں بلکہ وادیِ کفار کی طرف جاتی ہے اور ''الکفر ملۃ واحدۃ'' کے تحت ہندو، سکھ، یہودی، عیسائی کی کوئی تمیز نہیں، یہ ہمیشہ سے ایک ہیں اور اسلام کے خلاف ایک ہی رہیں گے۔

جہاں تک سلطنتِ عثمانیہ، مقاماتِ مقدسہ اور خلیفۃ المسلمین کی حاکمیت تسلیم کیے جانے کا تعلق ہے، مولانا احمد رضا خاں صاحب دوسرے مسلمان لیڈروں سے متفق تھے، انہیں تو اس طرزِ عمل سے اختلاف تھا جو اس سلسلے میں گاندھی کے زیرِ اثر اور زیرِ قیادت اختیار کیا گیا تھا۔ مسلمان لیڈروں نے ایسی مذہبی اور سیاسی غلطیاں کیں کہ جن کی تلافی مدتوں تک نہ ہو سکی، بلکہ ہم پاکستانی ابھی تک ان سیاسی راہ نماؤں کی ناعاقبت اندیشی کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ ''الطاری الداری لھفوات عبد الباری'' میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبد الباری کو غیرت دلائی اور ثابت کیا کہ مولانا آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راہ پر پڑ گئے ہیں اور مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا۔ اس تالیف کے مطالعے سے مولانا عبد الباری کے سینے میں دینی حمیت کی جو چنگاری دبی ہوئی تھی وہ بھڑک اٹھی اور آپ پر صراطِ مستقیم واضح ہو گئی۔ چنانچہ مولانا عبد الباری نے روزنامہ ''ہمدم'' میں اپنا توبہ نامہ بدیں الفاظ شائع فرمایا:

میں نے بہت گناہ دانستہ کیے اور بہت سے نادانستہ سب کی توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میں نے وہ امور قولاً و فعلاً و تقریراً و تحریراً بھی کیے ہیں، جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا۔ مولوی احمد رضا خان صاحب نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھہرایا۔ ان سب سے اور ان کے مانند امور سے جن میں میرے مرشدین اور مشائخ سے میرے لیے کوئی قدوہ نہیں ہے، محض مولوی صاحب موصوف پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ میری توبہ قبول کر۔[۲۱]

(ب) محمدن علی گڑھ کالج (بعد میں یونیورسٹی) شروع ہی سے مولانا محمود الحسن اور ان کے ہم نوا علما کی نظر میں بری طرح کھٹکتا تھا اور ان کی دلی خواہش تھی کہ کسی طرح اس بت کو ڈھا دیا جائے۔ آخر تحریک ترکِ موالات، کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کے ایما پر مولانا محمود الحسن اور ابو الکلام آزاد نے پروگرام بنایا۔ چنانچہ مولانا محمود الحسن نے علی گڑھ کالج کو نیست و نابود کرنے کے لیے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ علی گڑھ میں اڈہ جمالیا۔ کالج کے طلبہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے ارشاد فرمایا، ''میں امید کرتا ہوں کہ میری معروضات سے آپ کو سوالات کا جواب مل جائے گا اور علی گڑھ کی عمارتوں، کتب خانوں وغیرہ کی حفاظت کے ساتھ ساتھ یہ خیال بھی آپ کو دستک دے گا کہ قسطنطنیہ، شام، فلسطین اور عراق کی قیمت سے ان چیزوں کو کیا نسبت ہے۔''[۲۲]

یعنی مولانا اور ان کے ہم نواؤں کے دل میں مسٹر گاندھی کے زیرِ اثر بات بیٹھ گئی تھی کہ جب تک مسلمانوں کی عظیم علمی درس گاہ، علی گڑھ کالج کو نیست ونابود نہ کر دیا جائے اس وقت تک خلافت اور ترکِ موالات کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ آخر مولانا محمد علی جوہر اور ابو الکلام آزاد کی تقریریں اور محمود الحسن کا فتوی رنگ لایا۔ ڈاکٹر انصاری اور مولانا جوہر کی زیرِ سرکردگی، گاندھی کے مجاہدین نے کالج پر ہلہ بول دیا۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر سر ضیاء الدین، مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی اور اعلیٰ حضرت بریلوی کے خلیفہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری رحمۃ اللہ علیہم کا، ان کی بلند ہمتی اور مساعیِ عظیم سے کالج مکمل تباہی اور شکست وریخت سے بچ گیا۔ کالج کو ناعاقبت اندیش علما سے بچانے کے لیے جو کردار مولانا سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے ادا کیا اسے پروفیسر رشید احمد صدیقی صاحب اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے، نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔ "گائے کی قربانی" اور "موالات" پر بڑے بڑے جید علما اور مستند لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے اس زمانے کے اخبارات، تقاریر، تصانیف اور رجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہو گیا... کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی، مرحوم (سید محمد سلیمان اشرف) مطعون ہو رہے تھے، لیکن چہرے پر اثر تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق... کہتے تھے "رشید! دیکھو، علما کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے"... بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہتے اور کہتے "تم پر اس ہڑ گم کا اثر ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علما جو کچھ کہتے ہیں اور میں کالج کا مولوی یوں ہی ہانکتا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے ہم تم زندہ رہے تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔" سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا؛ لیکن مرحوم نے اس عہدِ سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا اور آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے۔ سارے علما سیلاب کی زد میں آ چکے تھے، صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔[۲۳]

(ج) علی گڑھ کالج کے فاتحین نے اب اسلامیہ کالج (لاہور) کی طرف رخ کیا اور اس گروہ کا قائد وہ شخص تھا جس کی زندگی کا ہر لمحہ اور سانس مسلمان قوم کے تباہ و برباد کرنے کے لیے وقف تھا، اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ نے اس قائد کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔

آزاد نہ مگر بے شک مشرک
دہ مسلم می دہی پئے یک مشرک
زاسلامت اگر بہرہ بدمے میکردی
بر ناخن مسلم فدا لک مشرک

اعلیٰ حضرت نے ابوالکلام کی ساری زندگی کو جس خوبی سے ان دو شعروں میں سمو دیا ہے اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ غرض کہ ابوالکلام، ۲۰/ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور پہنچے اور انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل میں ممبران کو اپنا ہم نوا اور ہم خیال بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ابوالکلام کے حامیوں نے ابوالکلام زندہ باد کے نعرے لگائے اور قریب تھا کہ انجمن کے ارکان ابوالکلام کے حق میں رائے دیتے کہ شیخ عبدالقادر مرحوم اپنی جگہ سے اٹھے اور ان کی جذباتی لیکن ناعاقبت اندیشانہ تقریر کا اپنی متین اور سنجیدہ لیکن دلائل سے بھرپور تقریر سے جواب دیا۔

اس کے بعد انجمن حمایتِ اسلام نے جس کے سیکریٹری جنرل اس وقت حضرت علامہ اقبال تھے یہ فیصلہ کیا کہ ایسے علما سے رجوع کیا جائے جو مسٹر گاندھی کے حلقۂ اثر سے باہر ہوں اور اعلاے کلمۃ الحق جن کا شعار ہو۔ چنانچہ مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور نے ایک "فتویٰ" ترتیب دیا اور تصدیق کے لیے مختلف علما کی خدمت میں ارسال کیا، جن میں مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل تھے۔ ذیل میں مولوی حاکم علی کا فتویٰ اور وہ خط ملاحظہ ہو جو مولوی صاحب نے اس فتوے کے ساتھ اعلیٰ حضرت بریلوی کو ارسال کیا۔

فتویٰ: "اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام تولی کے معنیٰ معاملت اور ترکِ موالات قرار دے رہے ہیں اور یہ صریح زیادتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام پاک سے کی جا رہی ہے۔ مذکورہ شخص نے ۲۰/ اکتوبر کی (حمایت اسلام) کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لا کر یہ اعلان کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونی ورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترکِ موالات نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج لاہور کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا ہے کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی۔ علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونی ورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رکھنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے، نہ موالات۔ لہٰذا میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونی ورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے۔" [۲۴]

مندرجہ بالا فتوے کو حاکم علی صاحب نے ایک خط کے ساتھ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کو ارسال کیا تاکہ وہ اس کی تصدیق و تائید فرما دیں۔ خط حسب ذیل ہے:

آقائے نامدار مؤیّدِ ملت جناب شاہ احمد رضا خان صاحب مد ظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پشتِ ہذا پر فتویٰ مطالعۂ گرامی کے لیے ارسال کر کے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہو سکے تو آج ہی یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں۔ انجمن حمایت اسلام کی کونسل کا اجلاس ۳۱/ اکتوبر کو ہونا قرار پایا ہے، اس میں یہ پیش کرنا ہے۔ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں تامل نہیں کیا۔ ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کام میں روڑے اٹکانے کی ٹھان لی ہے۔

عالم حنفیہ کو ان کے ہاتھ سے بچائیں۔

نیاز مند و دعا گو، حاکم علی، لاہور

۲۵/ اکتوبر ۱۹۲۰ء ۲۵

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتوے کی تصدیق فرمائی اور لکھا کہ ایسی امداد جو مشروط نہ ہو جائز ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت کی تحریر کو حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل میں پیش کیا گیا اور یہ عظیم درس گاہ اغیار کی دستبرد سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئی۔ یہ فتویٰ سات صفحات پر مشتمل ہے اور رسائلِ رضویہ جلدِ دوم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۶ء کے صفحہ ۸۱ سے ۸۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

المحجۃ المؤتمنہ

اعلیٰ حضرت کے مذکورہ بالا فتوے سے اسلامیہ کالج لاہور نادان دوستوں کی یلغار سے محفوظ ہو گیا بلکہ ان کے ناپاک ارادوں پر حسرت و ندامت کی اوس پڑ گئی اور تحریک ترکِ موالات کے حامیوں میں سے ایک صاحب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائل پور نے ایک طویل استفتا مرتب کیا جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ارسال کیا۔ اعلیٰ حضرت نے جواباً ایک مفصل فتویٰ ترتیب دیا جو بعد میں "المحجۃ المؤتمنہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ اور یوں دو قومی نظریے پر ایک ایسی دستاویز وجود میں آئی جس نے ہر موقع پر اور ہر مشکل میں مسلمانانِ برّصغیر کے لیے دلیلِ راہ کا کام دیا۔

اس فتوے میں اعلیٰ حضرت نے قرآنِ حکیم کی آیت "لا ینھکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین" (پارہ نمبر ۲۸، سورۃ الممتحنہ، آیت ۸)۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں ان (کافروں) سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ

لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے انصاف کا برتاؤ برتو؛ بیشک انصاف والے اللہ کو محبوب ہیں۔ پر مفصل بحث کی ہے اور تمام مستند تفاسیر و کتبِ فقہ مثلاً تفسیر رازی، روح البیان، تفسیر ابوالمسعود اور ہدایہ وغیرہ اور اقوالِ فقہا و علما کی روشنی میں مخالفین کے اس استدلال کہ "اس آیۂ ممتحنہ سے غیر محارب ہنود کے ساتھ وداد و محبت جائز بلکہ فرض ہے" کے تارو پود بکھیر دے اور ثابت کیا کہ مسلمانوں کا ولی اور دوست کافر نہیں ہو سکتا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ" ہر گز اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مسلمانوں پر راہ نہ کرے گا۔"عدم تعاون کے حامی لیڈروں کو مذکورہ آیۂ مبارک کے سمجھنے میں جو ٹھوکر لگی اس کا ابطال کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھیے کہ سب جانے دو آیہ کریمہ "لاینھکم" پر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکین ہند میں کوئی محارب بالفعل نہ سہی آیہ کریمہ نے کچھ نیک برتاؤ مالی مساوات ہی کی رخصت دی یا یہ فرمایا کہ ان کی جے پکارو، انہیں مساجد المسلمین میں باادب تعظیم پہنچا کر مسندِ مصطفیٰ ﷺ پر لے جا کر، مسلمانوں سے اونچا بٹھا کر واعظ وہادیِ مسلمین بناؤ، گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، قرآنِ مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر لے جاؤ۔[۲۶]

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

اگر بغرض باطل ان (رہبر ان گم کردہ راہ) کی یہ شتر گربگی مان بھی لی جائے تو عام مشرکین ہند کو "لم یقا تلو کم فی الدین" کا مصداق ماننا آنکھ پر ٹھیکری رکھنا ہے۔ کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑے؟ کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پر انے پڑ گئے! کیا کٹار پور، آرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک وہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہو گئے! بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کیے گئے! مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے مسجدیں ڈھائیں، قرآنِ پاک کے اوراق پھاڑے اور جلا دیے اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لینے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔[۲۷]

الغرض کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے عدم تعاون کے حامیوں اور گاندھی کے افعال و اقوال کی "المحجۃ الموتمنہ" میں پر زور تردید فرمائی، اور اس طرح غیر منقسم ہند میں مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ میں مرکزی کردار ادا کیا جو آگے چل کر مسلمانوں کی علیحدہ خود مختار مملکت کے مطالبے اور تحریکِ پاکستان کا محرک بنا۔

ماخذ و مراجع

۱۔ سرحد کی جدوجہد آزادی، از اللہ بخش یوسفی، لاہور، ۱۹۷۰ء، صفحہ نمبر ۲۹۔

۲۔ رسائل رضویہ جلد دوم، مرتبہ، مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری، لاہور ۱۹۷۶ء، صفحہ نمبر ۲۱۵۔

۳۔ النور، از سید محمد سلیمان اشرف علی گڑھ، ۱۹۲۱ء۔

۴۔ رسائل رضویہ، جلد دوم، مرتبہ مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری، لاہور، ۱۹۷۶ء، صفحہ نمبر ۲۱۵ تا ۲۲۳۔

۵۔ محمد علی جناح (انگریزی)، از مطلوب حسین سید، طبع چہارم کالج ایڈیشن کراچی، صفحہ نمبر ۱۰، ۱۱۔

۶۔ رسائل رضویہ، جلد دوم، مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری، لاہور، ۱۹۷۶ء، صفحہ نمبر ۲۲۷۔

۷۔ رسائل رضویہ، جلد دوم، مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری، لاہور ۱۹۷۶ء صفحہ نمبر ۲۳۴۔

۸۔ رسائل رضویہ، جلدِ دوم، مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری، لاہور، ۱۹۷۶ء، صفحہ نمبر ۲۳۴۔

۹۔ رسائلِ رضویہ، جلد دوم، مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری، لاہور، ۱۹۷۶ء، صفحہ نمبر ۲۳۵۔

۱۰۔ گاندھی کے نام کھلا خط، عبدالقادر بلگرامی مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء صفحہ ۱۶ تا صفحہ نمبر ۱۸۔

۱۱۔ اعمال نامہ، سید رضا علی، دہلی ۱۹۴۳ء، صفحہ نمبر ۳۰۸ تا ۳۰۹۔

۱۲۔ علی برادران، رئیس احمد جعفری، لاہور صفحہ نمبر ۳۶۰۔

۱۳۔ اعمال نامہ، سید رضا علی، دہلی ۱۹۴۳ء، صفحہ نمبر ۳۲۵۔

۱۴۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ، محمد احمد خان، لاہور ۱۹۷۷ء صفحہ نمبر ۶۷، ۶۸۔

۱۵۔ ذکر اقبال، عبدالمجید سالک، لاہور، ۱۹۵۵ء، صفحہ نمبر ۱۰۲۔

۱۶۔ ماہ نامہ اظہار، کراچی، مضمون سید ہاشم رضا، ۱۹۸۶ء، صفحہ نمبر ۱۷۔

۱۷۔ پیسہ اخبار لاہور، بحوالہ تحقیقات قادریہ، مرتبہ جمیل الرحمٰن بریلوی، صفحہ نمبر ۲۹۔

۱۸۔ مدینہ، بجنور، لاہور، بحوالہ تحقیقات قادریہ مرتبہ جمیل الرحمٰن بریلوی، ۲۱ جنوری ۱۹۲۱ء، صفحہ نمبر ۱۷۔

۱۹۔ محمد علی ذاتی ڈائری، عبدالماجد دریا آبادی جلد اوّل، صفحہ نمبر ۱۰۷۔

۲۰۔ مسلمان کا ایثار اور جنگ آزادی، عبدالوحید خان، صفحہ نمبر ۱۴۲، ۱۴۳۔

۲۱۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت، مولانا ظفر الدین بہاری، جلد اوّل، کراچی، صفحہ نمبر ۳۰۲۔

۲۲۔ ترکِ موالات، مطبوعہ مدینہ پریس، بجنور صفحہ، نمبر ۱۱۔

۲۳۔ گنج ہائے گراں مایہ، رشید احمد صدیقی، لاہور، ۱۹۷۹ء، صفحہ نمبر ۲۴ تا ۲۵۔

۲۴۔ اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت، سید نور محمد قادری، گجرات، ۱۹۷۵ء، صفحہ نمبر ۲۴۔

۲۵۔ اعلیٰ حضرت کی سیاسی، بصیرت، سید نور محمد قادری گجرات، ۱۹۷۵ء، صفحہ نمبر ۲۵۔

۲۶۔ المحجۃ المؤتمنہ، اعلیٰ حضرت بریلوی، مطبوعہ بریلی، صفحہ نمبر ۴۴ تا ۴۵۔

۲۷۔ المحجۃ المؤتمنہ، اعلیٰ حضرت بریلوی، مطبوعہ بریلی، صفحہ نمبر ۲۷۔

امام احمد رضا کی اُردو نعت گوئی

ریاض مجید
گورنمنٹ کالج فیصل آباد، پاکستان

Abstract: Hazrat Raza Barelvi played a historical role in promotion of Urdu *naat* (poetry in praise of the Prophet Muhammad). With his high level of knowledge, he not only utilized his expertise on the Quran and Hadith in naat but also used the terminologies of Logic, Mathematics, Astronomy, Astrology and Metaphysics. If his poetry is analyzed from the artistic aspects and attributes, many examples of his expertise on different branches of knowledge, poetic ability and powerful writing can be found in his poetry. The spirit of his poetic qualities and attributes remains his eminent love of the Prophet (peace and mercy upon him), which is prominent in his naats. However, his poetry remains within the boundaries defined by Sharia. He lead a unique school of *naatia* poetry.

Keywords: Logic, Mathematics, Astronomy, Astrology, Metaphysics, Love of the Prophet

خلاصہ: حضرت رضا بریلوی نے اُردو نعت کی ترویج وارتقا میں تاریخ ساز کام کیا۔ اپنے تبحرِ علمی کی بنا پر انہوں نے نعت میں قرآن کریم واحادیث مبارکہ کے علاوہ منطق وریاضی، ہیئت ونجوم، ہندسہ ومابعد الطبیعیات وغیرہ علوم وفنون کی اصطلاحات کو استعمال کیا۔ فنی محاسن وصفات کے نقطۂ نظر سے ان کی نعتوں میں انکے تبحر علمی، شعری صلاحیت، تخلیقی استعداد، صنعت گری اور زور بیان کے نمونے ملتے ہیں۔ جذبۂ عشق رسول ﷺ کی وارفتگی و شیفتگی مولانا کی نعت میں بہت نمایاں ہے مگر اس کے باوجود مولانا نے نعت گوئی میں آداب شرعیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ ان کے زیر اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی ۔

اہم الفاظ: منطق، ریاضی، ہیئت، نجوم، ہندسہ، مابعد الطبیعیات، عشق رسول ﷺ، قصیدۂ سلامیہ، قصیدۂ معراجیہ، قصیدۂ دُرودیہ

مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۳۴۰ھ) برصغیر کے معروف عالمِ دین ہیں۔ محسن کاکوروی کے بعد اُردو کے دوسرے بڑے نعت گو ہیں جنہوں نے اپنے شغف نعت اور اجتہادی صلاحیت سے اردو نعت کی ترویج وارتقا میں تاریخ ساز کام کیا۔ اردو نعت کی تاریخ میں اگر کسی فرد واحد نے شعرائے نعت پر سب سے گہرے اثرات مرتسم کیے ہیں، تو وہ بلاشبہ مولانا احمد رضا خاں کی ذات ہے۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ خود نعت میں وقیع شاعری کی بلکہ اپنے ہم مسلک شاعروں، خلفا اور تلامذہ میں نعت گوئی کو ایک تحریک کی شکل دی۔ اردو نعت میں بریلوی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں شاعروں کے ذوقِ نعت کو جِلا مولانا ہی کی نعت گوئی سے ملی۔

"حدائقِ بخشش" مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ کلام کا مجموعہ ہے۔ اس کے مطالعے سے سب سے پہلا تاثر جو قاری کے ذہن پر مرتسم ہوتا ہے وہ مولانا کے تبحرِ علمی کا ہے۔ مولانا اردو نعت کی تاریخ میں واحد شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو پوری طرح اپنے فنِ نعت میں برتا۔ انہوں نے نعتیہ مضامین کے بیان میں قرآن و حدیث سے لے کر منطق و ریاضی، ہیئت و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات و غیرہ علوم و فنون کی مختلف اصطلاحات کو نہایت سلیقے سے برتا۔ یہ ان کا کمال فن ہے کہ ان کی نعتوں میں مختلف علمی و فنی اصطلاحات و حوالہ جات سطح پر تیرتے پھرتے نظر نہیں آتے۔ انہوں نے اپنے وسیع مطالعے کو تخلیقی انداز میں اپنی نعت گوئی کا جزو بنایا ہے اور ان کی نعت میں ان کو تبحرِ علمی خارج ہونے کی بجائے ترسیلِ فکر میں ممد ثابت ہوتی ہے۔ نعتیہ مضامین کے اظہار میں انہوں نے مختلف علوم و فنون کو سمو کر جہاں اپنی نعت گوئی کو وقیع بنایا ہے وہاں اردو نعت کے علمی و فکری دائرے کو بھی وسیع کیا ہے۔

تبحرِ علمی کے شانہ بشانہ نعتیہ کلام میں ملنے والی دوسری خصوصیت ان کا زورِ بیان ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ شاعری میں اصطلاحات اور علمی حوالوں کا کثرتِ استعمال اظہار میں رکاوٹ پیدا کر کے فن پارے کے فطری بہاؤ کو مدھم کر دیتا ہے، مگر مولانا کی نعت گوئی میں اظہار کسی ایسی دقت یا مشکل سے دوچار نظر نہیں آتا۔ مولانا کی نعتِ رسولِ اکرم ﷺ سے وابستگی و عقیدت اور صاحبِ موضوع سے شیفتگی و محبت کی شدت کی جولانی ان کے کلام میں شروع سے آخر تک یکساں اور موثر انداز میں جاری و

ساری نظر آتی ہے، تبحر علمی، زور بیان اور وابستگی و عقیدت کے عناصر ان کی نعت میں یوں گھل مل اور رچ بس گے ہیں کہ اردو نعت میں یوں ایسا خوشگوار امتزاج کہیں اور دیکھنے میں نہیں آتا۔ ذیل مین ان کی نعتوں سے چند متفرق ا۔ شعر پیش کیے جاتے ہیں جن سے مولانا احمد رضا خاں کی غیر معمولی ذہانت اور تبحر علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان اشعار میں انہوں نے جن اصطلاحات و حوالہ جات کو برتا ہے ان علوم و فنون اور حوالہ جات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

ایسا اُمی کس لئے منت کش استاد ہو
کیا کفایت اس کو اقرء ربک الاکرم نہیں

(قرآن، سورۂ علق)

لَیلۃالقدر میں مَطلعِ الفجرحق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

(قرآن، سورۂ القدر)

من زار تربتی و جبت له شفاعتی
ان پر درود جن سے نوید ان بُشر کی ہے

(الحدیث)

مولانا نے بعض جگہ قرآنِ مجید اور حدیثِ نبوی کے حوالوں کو ایک ہی شعر اور کہیں کہیں ایک ہی مصرعہ میں یک جا کر دیا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھیے:

ان پر کتاب اتری بیَانًا لِّکُلِّ شَئٍ
تفصیل جس میں مَاعَبَرو مَاغَبَر کی ہے

(قرآن۔ حدیث)

معنی قَدۡ اَیٰ مقصد ماطغیٰ
نرگس باغِ قدرت پہ لاکھوں سلام

(قرآن۔ حدیث)

مولانا کے کلام میں اس قبیل کی بیسیوں نہیں سیکڑوں مثالیں نظر آتی ہیں۔ بعض نعتوں میں تو ایسے حوالے تسلسل سے نظر آتے ہیں جو ان کی قرآن و حدیث پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ ان کی شعری استعداد اور مہارت کا ثبوت ہیں۔ مولانا کے اندازِ بیاں اور ذوقِ نعت گوئی کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی نعت کی تزئین کے لئے قرآن واحادیث کے حوالے محض قصیداً ہی نہیں دیے، بلکہ ان کے استعمال میں ایک تحقیقی شعور کار فرما ہے۔ قرآن و احادیث کا مطالعہ کرنے اور شعری باریکیوں کو سمجھنے والے جس طرح ان مقامات سے حظ اٹھا سکتے ہیں ایک قاری نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ سے محبت کے سبب ایسے اشعار سے ان کے دلوں میں بھی اہتزاز کی کیفیات پیدا ہو جائیں۔ قرآن و احادیث کے علاوہ دوسرے علوم وفنون کے حوالے اور اصطلاحیں بھی ملاحظہ فرمائیں:

سعدین کا قِران ہے پہلوئے ماہ میں
جھرمٹ کیے ہیں تارے تجلّی قمر کی ہے

(علم نجوم)

سراغِ اَین و متیٰ کہاں تھا نشانِ کیف واِلیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

(مابعد الطبیعیات)

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوطِ واصل
کمانیں حیرت سے سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

(ہندسہ)

ذرّے مہرِ قدس تک تیرے توسط سے گئے
حدِّ اوسط نے کیا صغریٰ کو کبریٰ نور کا

(علم منطق)

وہ گراں سنگیِ قدرِ مس وہ ارزانیِ جود
نوعیہ بدلا کیے سنگ ولآلی ہاتھ میں

(فلسفہ نظری)

ان مثالوں[۲] کے علاوہ مولانا کے کلام میں سینکڑوں ایسے مقامات ہیں جہاں مباحث دینی اور مصطلحات علمی کے حوالے، فلسفہ و ہیئت، منطق و نجوم، ہندسہ و مابعد الطبیعیات اور معانی و نحو کی اصطلاحیں نظر آتی ہیں۔ نعت کے ذیل میں مصطلحات کا یہ استعمال مولانا کی سب سے نمایاں خصوصیت ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے عمیق مطالعے اور وسیع مشاہدے سے اخذ کردہ صلاحیت اور صفت کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے بیان میں استعمال کر دیا ہے۔ اگر اُن کی نعت کا اس حوالے سے جائزہ لیا جائے تو ان کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شغف نعت کا ایک اور احسن پہلو ہمارے سامنے آتا ہے اور ان کی نعت ان کے تمام علمی، فقہی، مذہبی اور فنی تجربات و مشاہدات کا نچوڑ اور ان کے مطالعۂ ظاہری اور مشاہدۂ باطنی کا ماحصل نظر آتی ہے۔

دوسری خصوصیتِ نعت جس کا پہلے حوالہ دیا جا چکا مولانا احمد رضا خاں کا زورِ بیان ہے۔ مولانا کی نعتوں (خصوصاً سلام مشتمل بر سراپائے اطہر در تہنیتِ شادی اسریٰ اور درودیہ) میں قصیدوں کا سا شکوہ مگر مثنوی کی سی روانی ہے۔ علمی وجاہت کے ساتھ رابطہ و تسلسل کا التزام ان طویل نعتوں کی خوبی ہے۔ قصیدۂ سلامیہ اردو زبان کا سب سے مقبول قصیدہ ہے۔ یہ ۱۶۷۔ اشعار پر مشتمل ہے اس کے چند مشہور شعر درج ذیل ہیں:

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اس جبینِ سعادت پہ لاکھوں سلام
جن کے سجدے کو محرابِ کعبہ جھکی
ان بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
اس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام
نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
جن کے آگے چراغِ قمر جھلملائے
ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
ریش خوش معتدل، مرہمِ ریش دل
ہالۂ ماہِ ندرت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گلِ قدس کی پتیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام[۳]

اس سلام میں سراپائے سرورِ عالم ﷺ کو تحسین درود کے ساتھ ایک منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ نہ صرف مولانا کے نعتیہ کلام بلکہ اردو نعت میں اس سلام کو بہت شہرت نصیب ہوئی۔ نعت و میلاد کی مجلسوں کے علاوہ مساجد میں خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد اس سلام کو اجتماعی شکل میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کے پڑھنے کا ایک خاص لحن اور آہنگ ہے جو کیف و تاثیر کا حامل ہے۔ کئی نعت گو شعرا نے اس سلام کی تقلید میں نعتیہ سلام لکھے۔ بعض شاعروں نے قافیے میں تبدیلی کے ساتھ سلام کہا۔ اس سلام کی تضمین میں خمسے بھی لکھے گئے۔[۴] اس سلام میں سراپائے سرورِ عالم ﷺ کی نعت کا ایک منفرد انداز ملتا ہے۔ سراپائے اطہر کے ساتھ ساتھ اوصاف و صفات محمد ﷺ کا بیان ہے۔ شاعر نے بنی نوعِ انسان پر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کو بھی سلام کا حصہ بنالیا ہے۔ آخر میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہ کی منقبت کا عنصر بھی شاملِ سلام ہے۔ یوسف وسلیم چشتی اس قصیدے کی شہرت و مقبولیت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ”اسے یقیناً شرفِ قبولیت حاصل ہو گیا کیونکہ ہند و پاک میں شاید ہی کوئی عاشقِ رسول ایسا ہو گا جس نے اس کے دو چار شعر حفظ نہ کر لیے ہوں۔“[۵]

قصیدۂ معراجیہ مولانا کا دوسرا مشہور قصیدہ ہے جو تہنیتِ شادیِ اسریٰ کے عنوان سے موسوم ہے۔ یہ نظم نسبتاً طویل اور مترنم بحر میں ہے۔ چند شعر درجِ ذیل ہیں :

وہ سرورِ کشورِ رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

وہاں فلک پر، یہاں زمیں پر، رچی تھی شادی، مچی تھیں دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے اِدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

یہ چھوٹ پڑتی تھی ان کے رخ کی کہ عرش تک چاندنی تھی چھٹکی
وہ رات کیا جگمگا رہی تھی، جگہ جگہ نصب آئینے تھے

خدا ہی دے صبر، جان پر غم دکھاؤں کیوں کر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولہا بنا رہے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

براق کے نقشِ سم کے صدقے وہ گل کھلائے کہ سارے رستے
مہکتے گلبن، لہکتے گلشن ہرے بھرے لہلہا رہے تھے[۶]

یہ قصیدہ ۶۷۔ اَشعار پر مشتمل ہے۔ شروع سے آخر تک یہی زورِ بیان اور تسلسل ہے معراج کی مناسبت سے قصیدے کی پوری فضا رنگ و نور میں ڈوبی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں نے الفاظ کے انتخاب اور تشبیہ و استعارہ میں خوشی کے عنصر کو ملحوظ رکھا ہے۔ بحر کا ترنم اور نشاطیہ آہنگ اس پر مستزاد ہے۔ اس

معراجیہ نظم میں اشارہ و کنایہ سے موضوع کی اس خوبصورتی سے ترجمانی کی گئی ہے کہ مولانا کی شعری استعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔ خصوصاً قربِ الٰہی کی کیفیت اس کیفیت کا عالمِ محسوسات سے ورا ہونا اور اعراض یعنی اینَ و متیٰ، کیف و کم کا اس عالمِ قرب میں گم ہونا زمان و مکان اور ابتدا و انتہا نیز اطراف و حدود کے تعینات سے دور معراجِ رسولِ اکرم ﷺ کی کیفیت و مشاہدہ کا اظہار مولانا نے جس اِیمان و کنایہ سے کیا ہے وہ ان کی معجز بیانی کا شاہکار ہے۔

مولانا کا تیسرا مشہور قصیدہ دُرودیہ[۲] ہے۔ یہ قصیدہ مولانا کے مشہور سلامیہ قصیدے کی بحر میں ہے۔ قافیہ و ردیف میں تصرف کے باوصف اس کی مجموعی فضا بھی قصیدۂ سلامیہ ہی کی سی ہے۔ یہ قصیدہ ۵۹/ اَشعار پر مشتمل ہے۔ چند شعر دیکھیے:

کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروروں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروروں درود

جان و دلِ اصفیا تم پہ کروروں درود
آب و گلِ انبیا تم پہ کروروں درود

تم سے جہاں کی حیات تم سے جہاں کا ثبات
اصل سے ہے ظل بندھا تم پہ کروروں درود

کر کے تمہارے گناہ، مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ تم پہ کروروں درود

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

ذات ہوئی انتخاب، وصف ہوئے لاجواب
نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروروں درود

تم سے کھلا بابِ جود تم سے ہے سب کا وجود
تم سے ہے سب کی بقا تم پہ کروروں درود
خَلق تمہاری جمیل، خُلق تمہارا جلیل
خَلق تمہاری گدا تم پہ کروروں درود

اس قصیدے میں اور خوبیوں کے علاوہ ایک خاص صفت کا التزام کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر مصرع کا آخری حرف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔ یہ صنعت شاید ہی کسی اور شاعر نے اپنی نظم میں برتی ہو؛ نیز یہ پورا اسلام صنتِ لزوم مالا یلزم اور اس کا مصرع اول صنعت ذو قافیتین میں ہے۔ حرف ہجا کی قید کے ساتھ ذو قافیتین مصرع کہنا اردو نعت میں پہلی مثال ہے۔ مولانا کا کمالِ فن یہ ہے کہ اس صنعت گری میں تخلیق کا رنگ جھلکتا ہے اور کہیں آورد یا تصنع کا گمان نہیں ہوتا۔ درود کے ساتھ ساتھ اس نعت میں حضورِ اکرم ﷺ کی جامع الصفات ہستی کے مختلف پہلوؤں کی تعریف کا بیان ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے فضائل و برکات کا تذکرہ بھی ہے اور آپ ﷺ کی رحمت کا بیان بھی ہے۔ ان نعتوں کے علاوہ مولانا نے متعدد طویل نعتیں لکھیں، چونکہ وہ رسماً شعر نہیں کہتے، جذبۂ دل کے ہاتھوں بے اختیار ہو کر کہتے ہیں اس لیے ان کی اکثر نعتیں طویل ہیں۔ ایک ایک نعت پندرہ پندرہ، بیس بیس، اشعار پر مشتمل ہے، اس کے باوجود کہیں زورِ بیان میں کمی یا ترسیل و اظہار لکنت کا احساس نہیں ہوتا۔

مولانا احمد رضا رضا خاں کی نعت گوئی داخلی کیفیات کے بیان اور اظہارِ شیفتگی کے باوصف فنّی شکوہ سے عبارت ہے۔ ناقدین نے مولانا کے جذبۂ عشقِ رسول ﷺ کا ذکر تو اکثر کیا ہے، مگر ان کی نعت کے فنّی محاسن شعری پختگی اور قادرالکلامی کا تذکرہ بہت کم ہوا ہے۔ حدائقِ بخشش کا جوہر اگرچہ مولانا کی داخلی کیفیات اور محبتِ رسول ﷺ کا والہانہ پن ہی ہے، لیکن اگر فنّی محاسن و صفات کے نقطۂ نظر سے مولانا کی نعت گوئی کا تجزیہ کیا جائے تو ان کے تبحرِ علمی، شعری صلاحیت، تخلیقی استعداد، صنعت گری اور زورِ بیان کے متعدد نمونے ملتے ہیں، جن کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے:

۱۔ ان کی اکثر نعتیں طویل اور زورِ بیان کا نمونہ ہیں۔

۲۔ ان کی کئی نعتیں سنگلاخ زمینوں میں ہیں، جن سے ان کی مشکل پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ مطلع دیکھیے:

ہے لبِ عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں
سنگ ریزے پاتے ہیں شیریں مقالی ہاتھ میں
رونقِ بزمِ جہاں ہیں عاشقانِ سوختہ
کہہ رہی ہے شمع کی گویا زبانِ سوختہ

۳۔ ان کے ہاں صنائع بدائع کا استعمال بکثرت ملتا ہے۔ مثلاً صنعتِ شفتین (یعنی کلام میں ایسے حروف لانا جن کے پڑھنے کے وقت ہونٹ آپس میں نہ ملیں)صنعتِ تجنیس، صنعتِ اقتباس، صنعتِ تنسیق الصفات (ممدوح کی متعدد صفات ایک یا دونوں مصرعوں میں پیش کرنا) صنعتِ تضاد کے علاوہ متعدد صفت و صنعتوں کا استعمال ہوا ہے۔ علمِ بیان و بدائع اور صنائع کی خوبیاں ان کے کلام میں جابجا دیکھنے میں آتی ہیں؛ جن میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ، ایجاز، تلمیح، مجازِ مرسل، لف و نشر، حسنِ تعلیل، مراعاۃ النظیر کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ شمس بریلوی نے مولانا کی نعت گوئی کے خارجی محاسن کا ذکر کرتے ہوئے ان صنائع بدائع کا بطورِ خاص ذکر کیا ہے اور ''حدائق بخشش'' کے اشعارِ نعت سے اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔[۸]

۴۔ مولانا کے ہاں عربی فارسی کے الفاظ اور مصرعے تو عام ہیں مگر ان کی قادری الکلامی کا اندازہ اس کثیر اللسان نعت سے ہوتا ہے جس میں عربی، فارسی، ہندی اور اردو زبانوں کے جملے استعمال ہوئے ہیں۔ اس کا مطلع درج ذیل ہے:

لم یات نظیرک فی نظرٍ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

مختلف زبانوں کے باوجود یہ نعت عوام میں بہت معروف و پسندیدہ ہے اور مجالسِ نعت و میلاد میں ذوق و شوق سے پڑھی جاتی ہے۔

۵۔ مولانا کے کلام میں محاورے بکثرت ملتے ہیں۔ ان کے قصیدۂ نوریہ کا مطلع ہے:

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس ایک قصیدے میں بیسیوں محاورے استعمال ہوئے ہیں؛ مثلاً باڑا ہونا، توڑا لینا، کلمہ پڑھنا، صدقہ لینا، سونا جڑھنا، سہرا ماتھے پر رہنا، بخت جاگنا، ستارہ چمکنا، دن دونا ہونا، بول بالا ہونا، لہرا بجنا، کلیجا ٹھنڈا ہونا، مچلکا لکھ دینا، لولگانا، ذرا سا منہ نکل آنا، چھینٹا پڑنا، آنکھیں مانگنا، ماتھے ٹیکا ہونا، آئینہ اندھا کرنا، گرمی کا جھلکا لانا، دل کے کنول کھلنا، انہی قدموں پھرنا، اشاروں پہ چلنا، بے حکم پر مارنا، دوورقہ لکھنا وغیرہ وغیرہ۔[9]

٦۔ مولانا کے ہاں شکوہ الفاظ و ترکیب اور صوتی ہم آہنگی کے نمونے ملتے ہیں۔ یہ شعر دیکھیے:

فرشتے خِدَم، رسولِ حَشَم، تمامِ اُمم، غلامِ کرم
وجود و عدم، حدوث و قدم جہاں میں عیاں تمہارے لیے
اَصالتِ کل، امامتِ کل، سیادتِ کل، امارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل خدا کے یہاں تمہارے لیے

ایک بات جو مولانا کی نعت گوئی کے فنّی محاسن کے ضمن میں کہنا ضروری ہے وہ ان کا تخلیقی استعمال ہے۔ مولان کی نعت جن خارجی خوبیوں سے مزیّن ہے وہ کہیں بھی مولانا کے اظہار جذبات یا ترسیل فکر میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ ان کی صنعت گری اور پیکر آرائی نعت کے مضامین کو اور مؤثر انداز میں پیش کرتی ہے۔ مولانا احمد رضا رضا خاں کی خصوصیاتِ نعت اور فنی محاسن میں جو ہر روح کی طرح جاری و ساری ہے وہ ان کا جذبۂ عشقِ رسول ﷺ ہے۔ ان کے مسلک سے اختلاف رکھنے والے بھی حضورِ اکرم ﷺ سے ان کی محبت و شیفتگی کے معترف ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کی جان اور اصل ان کا یہی سرمایۂ عشقِ رسول ﷺ ہے۔ ان کے لیے نعت گوئی شوق قافیہ پیمائی نہیں بلکہ روحانی واردات ہے۔ ان کی نعتوں میں ان کا دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پروفیسر محمد عبدالسمیع ضیا چشتی مولانا احمد رضا خاں کی نعت کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

حدائقِ بخشش کے معروضی طرزِ اظہار اور حضرت رضا بریلوی کے اندازِ شیفتگی کا انحصار شدتِ جذبۂ دل پر ہے۔ یہ اندازِ سخن نہ صرف فطری ہے بلکہ ابدی صداقتوں اور شعری کیفیتوں کا پیغامبر بھی۔ اس کا تاثر انفرادی اور مقامی نہیں بلکہ شدید اور ہمہ گیر نوعیت کا ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے محرکات و عوامل خارجی شواہد نہیں بلکہ داخلی کیفیات و رجحانات پر مشتمل وہ جذبۂ صادق اور خلوصِ کامل ہے جو ایک شعلہ بداماں دل کے اندر موجود مصروف کار رہتا ہے۔ اس لیے وہ جذبۂ صادق و خلوصِ کامل قاری کے گوشۂ جاں میں اپنی پوری صداقتوں کے ساتھ اتر جاتا ہے۔[۱۱]

جذب و مستی کے عناصر یوں تو ہر بڑے نعت گو کے کلام میں نظر آتے ہیں، لیکن مولانا کی نعت میں عشقِ رسولِ اکرم ﷺ کی وارفتگی و شیفتگی بہت نمایاں ہے۔ ان کا سلیقہ نعت ان کی محبتِ رسول ﷺ کا مظہر ہے۔ حضورِ اکرم اور ان کے متعلقات (روضۂ مبارک، مدینۂ منورہ وغیرہ) کا ذکر آتے ہی ان کی آنکھیں چھلک پڑتی ہیں۔ سوز و درد اور جذب و اثر میں ڈوبی ہوئی متعدّد نعتوں میں سے چند کے مَطالعے درج ذیل ہیں۔ ان نعتوں کی پوری فضا محبتِ رسول ﷺ سے سرشار ہے۔ اخلاق و تاثیر کا یہی جوہر ان کی نعتوں کی شہرت کا سبب ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں
جس راہ چل گئے ہیں کوچے بسا دیے ہیں

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی
سب سے بالا و والا ہمارا نبی

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

مدینۂ منورہ سے محبت عشقِ رسول ﷺ ہی کی علامت ہے۔ مولانا کو مدینے سے جو محبت و وابستگی ہے وہ ان کی نعتوں سے چھلکتی ہے۔ خاکِ پائے حضور ﷺ، خارِ طیبہ، سگانِ کوچۂ حبیب ﷺ، غرض یہ کہ مدینۂ منورہ کا ذرہ ذرہ ان کے لیے قبلۂ مراد ہے۔ درج ذیل شعر ملاحظہ ہوں:

اے خار طیبہ دیکھ کہ دامن نہ بھیگ جائے
یوں دل میں آکہ دیدۂ تر کو خبر نہ ہو
ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
اوپاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے
خوف ہے سمع خراشیِ سگِ طیبہ کا
ورنہ کیا یاد نہیں نالہ وفغاں ہم کو
دل کے ٹکڑے نذرِ حاضر لائے ہیں
اے سگانِ کوچہ دل دار ہم
اس گلی کا گدا ہوں میں جس میں
مانگتے تاج دار پھرتے ہیں [۱۱]

مدینے کا والہانہ تذکرہ مولانا کی نعت کا ایک مستقل موضوع ہے اور ایک جداگانہ باب کا محتاج ہے۔ [۱۲] اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں صرف اس امر کی نشان دہی کی جاسکتی ہے کہ خاکِ مدینہ کی عظمت و توقیر ان کا جزوِ ایمان ہے۔ وہ نہ صرف یہ کہ مدینے کی فضا اور اشیا کا ذکر کرتے ہوئے خوشی کا ذکر کرتے ہوئے خوشی اور محبت محسوس کرتے ہیں بلکہ وہ ان پر دل و جاں سے فدویت کا اظہار کرتے ہیں۔

عشقِ رسول ﷺ کی یہی فضا ان کے طویل سلاموں اور نعتوں میں بھی نظر آتی ہے جو بظاہر زورِ بیان، سراپا نگاری اور منظر نگاری کا نمونہ ہیں جذبہ دل کی بے ساختگی سوز و گداز اور اخلاص و شیفتگی کے عناصر نے ان کے نعتیہ اشعار کو کیف اور تاثیر کے اس مرتبے پر پہنچا دیا ہے جہاں بہت کم نعت گو پہنچتے ہیں۔ اس وارفتگی و شیفتگی کے باوجود مولانا نے نعت گوئی میں آدابِ شرعیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا ہے۔ حضورِ

اکرم ﷺ سے وُفورِ عقیدت اور فرط محبت میں انہوں نے الوہیت اور نبوّت کے فرق کو گڈ مڈ نہیں ہونے دیا۔ انہیں نعت گوئی کے فن کی باریکیوں کا پورا پورا احساس ہے۔ ایک جگہ خود کہتے ہیں:

''حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے۔ جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے؛ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔'' [۱۳]

اپنی نعت گوئی میں آداب و احترامِ نعت کے اس پہلو کی نشان دہی کرتے ہیں:

ہوں اپنے کلام سے نہایت محظوظ
بے جا سے ہے المنۃ للّٰہ محفوظ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے آدابِ شریعت ملحوظ [۱۴]

مولانا احمد رضا خاں اپنے بھائی حسن رضا اور مولانا کافی کا کلام اسی سبب سے پسند کرتے تھے کہ انہوں نے اپنی نعت گوئی میں آدابِ شریعت کا خاص خیال رکھا ہے۔ اس ضمن میں مولانا کے ملفوظات میں ایک واقعہ ملتا ہے کہ کسی نے آپ کو نعت سنانا چاہی۔ آپ نے جواب میں فرمایا، ''سوا دو کے کلام کے کسی کا کلام میں قصداً نہیں سنتا، مولانا کافی اور حسن میاں مرحوم کا کلام اوّل سے آخر تک شریعت کے دائرے میں ہے۔ باقی اکثر دیکھا گیا ہے کہ قدم ڈگمگا جاتا ہے۔'' [۱۴] مولانا کے سوانح میں ایسے متعدد واقعات ملتے ہیں جہاں آپ نے آدابِ شریعت کو ملحوظ نہ رکھنے والے شعرا کی نعت گوئی کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اگر کوئی خیال یا لفظ احترامِ رسالت مآب ﷺ اور شانِ نعت کے منافی دیکھا تو اس کی اصلاح فرمائی۔ [۱۵]

نعت کے باب میں اگر مولانا احمد رضا خاں کی خدمات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اردو نعت کی ترویج و اشاعت میں ان کا حصّہ سب سے زیادہ ہے۔ کسی ایک شاعر نے اردو نعت پر وہ اثرات نہیں ڈالے جو مولانا احمد رضا خاں کی نعت گوئی نے ڈالے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف یہ

کہ اعلیٰ معیاری نعتیں تخلیق کیں بلکہ ان کے زیرِ اثر نعت کے ایک منفرد دبستان کی تشکیل ہوئی۔ ان کی نعت گوئی کی مقبولیت اور شہرت نے دوسرے شاعروں کو نعت گوئی کی ترغیب دی۔ عاشقانِ رسول ﷺ کے لیے آج بھی ان کا کلام ایک موثر تحریکِ نعت کا درجہ رکھتا ہے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ حدائق بخشش، احمد رضا بریلوی (مرتبہ شمس بریلوی)۔

۲۔ حدائق بخشش مرتبہ شمس بریلوی میں، مرتب نے تفصیل سے مولانا کے کلام کے فکری و فنی پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔ یہ مثالیں اسی کلام سے لی گئی ہیں۔

۳۔ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص ۴۳۲، ۴۵۳۔

۴۔ مولانا کے نعتیہ سلام میں بھی مشہور نعت گو مولانا کفایت علی کافی کے سلام کا رنگ جھلکتا ہے۔ کافی نے بھی سلام میں حضورِ اکرم ﷺ کا سراپا بیان کیا ہے۔ چند شعر دیکھیں:۔

خاص محبوبِ خدا ختمِ رسالت پر سلام
عینِ رحمت شافعِ روزِ قیامت پر سلام
مبتدا اصلی علیٰ چین جبیں باصفا
نور کی دریائے امواجِ لطافت پر سلام
مصحفِ رفسار حضرت مظہرِ انوارِ غیب
روئے قدس مطلعِ صبحِ صداقت پر سلام

(دیوانِ کافی، ص ۳۲)

۵۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۲ نومبر ۱۹۷۳ء۔

۶۔ حدائقِ بخشش (مرتبہ شمس بریلوی)، ص ۴۱۲، ۴۲۰۔

۷۔ حدائقِ بخشش (مرتبہ شمس بریلوی)، ص ۴۲۴، ۴۳۲۔

۸۔ حدائقِ بخشش (مرتبہ شمس بریلوی)، ص ۱۲۱، ۱۹۱۔

۹۔ اردو میں نعتیہ شاعری (ڈاکٹر اشفاق)، ص ۳۸۲۔

۱۰۔ حدائقِ بخشش (مرتبہ شمس بریلوی)۔

۱۱۔ حدائقِ بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) مختلف صفحات۔

۱۲۔ اس موضوع پر ''اعلیٰ حضرت مدینے کی گلیوں میں'' کے عنوان سے اقبال فاروقی نے ایک مضمون لکھا ہے، جو ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، شمارہ مارچ ۱۹۷۳ء میں ص ۲۰۔۲۸ پر شائع ہوا ہے۔

۱۳؎ حدائق بخشش (مرتبہ شمس بریلوی) ص۴۵۷۔

۱۴؎ ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی (حصّۂ دوم) ص۴۸۔۴۹ (حاشیہ نمبر ۱والا اقتباس اس واقعے کے ضمن میں آیا ہے۔)

۱۵؎ امامِ نعت گویاں، مولانا اختر الحامدی نے "مولانا رضا کی نعت گوئی اور پاسِ شریعت" کے عنوان سے جو ذیلی باب لکھا ہے اس میں اس طرح کے کئی واقعات درج ہیں۔

امام احمد رضا اور علوم عقلیہ

شبیر حسن رضوی
جامعہ اسلامیہ روناھی، بھارت

Abstract: Imam Ahmad Raza had expertise in rational sciences. In this article, selected pieces of his research have been compared with the prevailing theories of Logic, Ancient Philosophy and Modern Philosophy. Definition of Knowledge according to Philosophers has been presented and after critical analysis of a void belief about Allah, the definition given by Imam Ahmad Raza has been given with an emphasis on the Islamic belief about the attribute of Allah. Definition of Human being used in Logic and Philosophy has been challenged and the definition presented by Raza has been given. Research of Raza in rebuttal of the theory of revolution of Earth and in favor of atom has also been discussed.

Keywords: Logic, Ancient Philosophy, Modern Philosophy, Definition of Knowledge, Definition of Human being, Revolution of Earth, Rational sciences, Atom.

خلاصہ: امام احمد رضا کو علومِ عقلیہ میں خاصی دسترس حاصل تھی۔ پیشِ نظر مقالے میں ان کی بعض تحقیقات کا منطق، فلسفہ قدیمہ اور فلسفہ جدیدہ کے چند معروف نظریات سے موازنہ پیش کیا گیا ہے۔ علم کی تعریف فلاسفہ کے حوالے سے پیش کرنے کے بعد اس سے اللہ عزوجل سے متعلق ایک باطل نظریے کے تعاقب میں امام احمد رضا کی پیش کردہ تعریفِ علم کو پیش کی گئی ہے نیز صفت الٰہی سے متعلق اسلامی عقیدہ بیان کیا ہے۔ امام احمد رضا کی دی ہوئی ایک جامع تعریفِ انسان بھی پیش کی گئی۔ انھوں نے فلسفہ جدیدہ کے گردشِ زمین کے نظریہ اور فلاسفہ کے جزءِ لایتجزی کے باطل ہونے کے نظریے کو علومِ عقلیہ و نقلیہ سے غلط ثابت کیا ہے۔

اہم الفاظ: منطق، فلسفہ قدیمہ، فلسفہ جدیدہ، علم کی تعریف، تعریفِ انسان، نظریہ گردشِ زمین، علوم عقلیہ، مہندس، جزءِ لایتجزی۔

امام احمد رضا کی ذاتِ والاصفات عالمِ اسلام میں محتاجِ تعارف نہیں۔ محققین و محبین نے مختلف جہات سے قوم کے سامنے تعارف پیش فرمایا لیکن حقِّ یہ ہے کہ "حق تعارف کماحقہ" اب تک ادا نہ ہو سکا۔ میں اپنے اس دعوے کو بحمد اللہ مبر ہن کر سکتا ہوں۔ چونکہ تعارف و تعریف معرفت کی فرع ہے اور کسی شے کی جب تک معرفت صحیح نہ ہو جائے اس کی صحیح تعریف و معرفت کیسے کرائی جاسکتی ہے؟ مگر جب مقتدر محققین نے تعارف پیش فرمایا، الحمد اللہ فقیر کا بھی ایک مضمون "امام احمد رضا بحیثیتِ منطقی و فلسفی" کے عنوان سے شائع ہوا، بعض محبین نے اظہارِ خیال فرمایا کہ وہی مضمون مزید بسط و شرح کے ساتھ پھر شائع کیا جائے۔ مجھ بے بضاعت کے لیے یہ امر بڑا ہی دشوار عسیر کہ بڑے بڑے دانشوران قوم اور ماہرینِ زمانہ نے اس میدان میں تگ و دو کی سب نے قلم اٹھایا اور بالآخر انہیں کہنا پڑا کہ

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

مگر احباب کی خواہشات بقدر وسعت پوری کرنے کے لیے اور خادمینِ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے شمار میں آنے کی خاطر امامِ موصوف کے کچھ منطقیانہ و فلسفیانہ زاویوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ فالحمد للہ رب العالمین۔

امام موصوف کو جس علم میں جس حیثیت سے بھی دیکھا جاتا ہے وہ اس فن کے امام بلکہ امام الائمہ نظر آتے ہیں۔ نحو ہو یا صرف، ادب ہو یا معانی و بیان، فقہ ہو یا اصولِ فقہ، حدیث ہو یا اصولِ حدیث، تفسیر ہو یا اصولِ تفسیر، منطق ہو یا فلسفہ، علومِ جدیدہ ہوں خواہ علومِ قدیمہ امام موصوف ان سارے علوم میں مقتدا و امام بلکہ بعض علوم میں موجد و مجتہد نظر آتے ہیں۔ آج تک سارے مناطقہ و فلاسفہ تدقیق کے نام پر جان دیتے رہے اور فضول تعمقات و لغویات کو تحقیق جانتے رہے حالانکہ تحقیق جس وصف کمال کا نام ہے سفہائے فلاسفہ اس سے کوسوں دور رہے۔ آیئے اب مناطقہ و فلاسفہ کی تحقیقات کا جائزہ لیجیے اور ان کے سفہ و جہل کا اندازہ لگاتے ہوئے امام احمد رضا کی فلسفہ و منطق دانی سے موازنہ کیجیے۔

تعریفِ علم کی تحقیقی ترجیحات

مناطقہ نے علم کی تعریف کی ہے " حصول صورۃالشیئ فی العقل " شے کی صورت کا عقل میں حاصل ہونے کو "علم" کہتے ہیں اور بعض نے یوں تعریف کی ہے "الصورۃ الحاصلتہ فی الشی عندالعقل" عقل کے نزدیک چھپی ہوئی صورت کو "علم" کہتے ہیں۔ بعض نے یوں کہا کہ "قبول النفس لتلك الصورۃ یا قبول النفس الصورۃ الحاصلتہ" صورتِ حاصلہ کو نفس کے قبول کر لینے کو" علم" کہتے ہیں۔ بعض نے یوں تعریف بیان کی "الاضافتہ الحاصلتہ بین العالم والمعلوم" عالم و معلوم کے درمیان جو ربط و تعلق ہے اسی کو" علم" کہتے ہیں۔ یہ تعریف فلاسفۂ یونان کی ایک جماعت نے کی ہے۔ اسی تعریفِ علم پر اعتماد کرتے ہوئے جاہلوں نے مولیٰ تعالیٰ عزشانہ کو جاہل کہ دیا ہے۔نعوذباللہ من ذالك تعالیٰ عمایقول الظالمون علوا کبیرا۔ ان سفہا کی تقریر ذلیل ورذیل یہ ہے کہ علم نسبت کا نام ہے اور نسبت دو چیزوں کے درمیان ہوتی ہے اور دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے کی غیر ہوتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر باری تعالیٰ اپنے آپ کو جانتا ہے تو وہی عالم، وہی معلوم حالانکہ عالم و معلوم میں مغائرت ہوتی ہے اور باری تعالیٰ کے اپنے آپ کو جاننے میں مغائرت نہیں لہٰذا وہ اپنے آپ کو نہیں جانتا اور جو اپنے آپ کو نہ جانے وہ بھلا دوسرے کو کیسے جان سکتا ہے؟ نعوذباللہ من ذالك۔

ان سفہا کی دلیلِ ذلیل کا آسان جواب یہ ہے کہ یہی سوال ہمارا تم سے بھی ہے کہ تم اپنے آپ کو جانتے ہو کہ نہیں؟ اگر نہیں جانتے ہو تو یہ حکم کیسے لگا رہے ہو کہ باری تعالیٰ عالم نہیں ہے؟ اور اگر جانتے ہو تو تم ہی عالم، تم ہی معلوم حالانکہ عالم و معلوم میں مغائرت ہوتی ہے اور تمہارے اپنے آپ کو جاننے میں مغائرت نہیں لہٰذا تم اپنے آپ کو نہیں جانتے اور جب اپنے آپ کو نہیں جانتے تو بھلا دوسرے کو کیا جان پاؤ گے؟ فماجوابکم فھوجوابنا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کیا تغائر اعتباری کافی نہیں؟ عالم و معلوم میں تغائر اعتباری کافی ہے۔ یہی نہیں بلکہ ضروری ہے اب چاہے تغائر اعتباری کے ساتھ تغائر ذاتی ہو یا نہ ہو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ علم کی یہ تعریف غلط ہے؛ صحیح تعریف خاتم المحققین امام احمد رضا سے سنو!

امام احمد رضا کے نزدیک علم کی صحیح تعریف

آپ فرماتے ہیں:

فلاسفہ نے جو کہا کہ علم سے ہمارے صورت حاصلہ عند العقل کا نام ہے یہ غلط ہے۔ ان سفہانے اصل وفروع میں فرق نہ کیا۔ علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت حاصل ہوتی ہے، نہ کہ حصول صورت سے علم۔ علم وہ نور ہے جو شئے اس کے دائرے میں آگئی منکشف ہوگئی اور یہ جس سے متعلق ہوگیا اس کی صورت ہمارے ذہن میں مرتسم ہوگی۔ جب فلاسفہ اپنے علم کو نہ پہچان سکے تو علم الٰہی کو کیا جانیں گے؟ حق سبحانہ وتعالیٰ صورت، ارتسام ونور عرضی سب سے منزہ ہے اس کا علم حضور معلوم کا محتاج نہیں، اس کا علم حضور وحصولی دونوں سے منزہ ہے۔ اس کا علم اس کی صفتِ قدیمہ قائمہ بالذات لازم نفس ذات ہے۔ جو کیف سے منزہ ہے۔ وہاں چون وچرا اس کا دخل نہیں۔ ہم نہ اس کی ذات سے بحث کر سکتے ہیں نہ اس کی صفت سے۔ حدیث میں ارشاد ہے تفکروا فی الاءاللّٰہ و لا تفکروا فی ذات اللّٰہ فتہلکوا اللہ کی نعمتوں اور اس کے مظاہر وتجلیات میں فکر ہے اور ادراک صفات بے ادراک کنہ ذات ممکن نہیں اور کنہ ذات کا ادراک مخلوق کو محال کہ وھو بکل شیٔ محیط ہے اسے کوئی محیط نہیں ہو سکتا۔ لاجرم کنہ ذات ادراک محال ہے۔ [1]

قارئینِ کرام ملاحظہ فرمائیں کہ علم کی یہ تعریف ارسطاطالیس سے لے کر بوعلی بن سینا، ابونصر فارابی، محقق طوسی اور محمود جونپوری تک بلکہ سارے مناطقہ و فلاسفہ کے نزدیک مسلم تھی اور سارے مناطقہ میں دائرو سائر تھی مگر امام المحققین نے ایک ہی جملہ میں یک لخت باطل وغلط ثابت کر دیا کہ علم سے ہمارے ذہن میں معلوم کی صورت ہوتی ہے، حصولِ صورت سے علم نہیں ہوتا۔ یعنی علم نہ ہو تو حصولِ صورت کیوں کر ہوگا۔ یہ ہے امام المنطق والفلسفہ کی تحقیق کہ مناطقہ کی ساری تحقیقات پر پانی ڈال دیا۔

مقامِ تحدید میں تعریفِ انسان پر امام کا اعتراض

اب آیئے عقلائے روزگار کی تحقیق کو خاص مقام تحدید میں ملاحظہ فرمایئے۔ سارے فلاسفہ نے انسانوں کی تعریف کی ہے: "الانسان ھوحیوان ناطق" انسان حیوانِ ناطق کو کہتے ہیں۔ اور حیوان کی تعریف کی ہے "ھوجسم حساس متحرك بالا رادہ" حیوان جسم نامی متحرک بالارادہ کو کہتے ہیں اور متقدمین فلاسفہ نے ناطق کی تعریف مدرک کلیات وجزئیات سے کیا ہے۔ منطق کی تمام کتابوں میں انسان وحیوان کی یہی

تعریف ملتی ہے۔ انسان و حیوان کی اس تعریف پر متکلمین حضرات نے بہت سے اعتراض قائم فرمائے ہیں لیکن امام علم و فن نے جو معارضات و تحقیقات فرمائی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

آئیں مقتدائے روز گار امام احمد رضا کی بارگاہ میں اور ان کی بے مثل تحقیق ملاحظہ فرمائیں اور سفہائے فلاسفہ و مناطقہ کے فضول تعمقات کا امام الفلسفہ والمنطق کی تحقیقات سے موازنہ کریں تاکہ یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ یہ حمقائے روز گار فضول تعمقات و تدقیقات کو تحقیقات جانتے تھے اور صرف اصطلاحاتِ منطق و فلسفہ کا انہیں علم تھا ورنہ علمِ منطق و فلسفہ جس کا نام ہے اس سے محض جاہل تھے۔ لاجرم یہ کہنا پڑتا ہے کہ اگر سفہائے فلاسفہ ارسطاطالیس، بو علی بن سینا، اور محقق طوسی سے لے کر محمود جونپوری تک سارے مناطقہ جو تدقیقات و تعمقات میں پڑ کر جادۂ مستقیم سے منحرف ہو گئے۔ اگر حضرت امام موصوف سے انہیں شرفِ تلمذ حاصل ہو تا تو بہت ممکن تھا کہ وہ گمراہ نہ ہوتے۔ آپ فرماتے ہیں:

شدت اختلاط و عدم تمائز بحد اتحاد نے سفہائے فلاسفہ کو دھوکہ دیا جو ہمیشہ تدقیق کے نام پر جان دیتے اور فضول تعمقات کو تحقیق جانتے ہیں وہ بھی کہاں خاص مقام تحدید میں انسان کی تعریف حیوان ناطق کر بیٹھے حالانکہ حیوانیت بدن کے لیے ہے کہ وہی جسمِ نامی ہے اور ناطق و مدرک روح ہے بلکہ خود حیوان ہی کی تعریف میں غلط ہے جسمِ نامی متحرک بدن ہے اور حساس و مرید روح۔ ؎۲

اور آگے فرماتے ہیں:

انسان کی اس وقت حقیقت فلاسفہ کو معلوم نہیں۔ انسان کی تعریف کرتے ہیں حیوانِ ناطق اور حیوان کی تعریف کرتے ہیں جسم نامی حساس متحرک بالارادہ سے اور ناطق کی تعریف مدرک کلیات و جزئیات سے۔ اگرچہ یہ بھی ان کے متاخرین کی رفوگری ہے ان سفہانے تو آوازوں پر حدود رکھی تھیں۔ گھوڑا حیوانِ صاہل (ہنہنانے والا جانور)، گدھا حیوانِ ناہق (رینکنے والا جانور)، انسان حیوانِ ناطق (کلام کرنے والا جانور)۔ انہوں نے ناطق کا معنٰی مدرک کلیات و جزئیات گڑھے جسے اصلاً زبانِ عرب مساعد نہیں! خیر یوں ہی سہی۔ انسان نام بدن کا ہے یا نفسِ ناطقہ یا دونوں کے مجموعے کا۔ اول ناطق نہیں کہ ادراک کلیات شان نفس ہے نہ کار بدن دوم، حیوان نہیں کہ نفس ناطقہ نہ جسم ہے نہ نامی نہ ان کے نزدیک متحرک، سوم نہ حیوان ہے نہ ناطق کہ حیوان ولا حیوان کا مجموعہ لا حیوان ہو گا اور ناطق ولا ناطق کا مجموعہ لا ناطق ہو گا۔ غرضیکہ واقع میں کوئی ایسی شئے نہیں کہ جس پر حیوان ناطق بمعنی مذکور دونوں صادق ہوں یہ ہے خود ان کا اپنی حقیقت کے ادراک سے عجز

تنت زندہ بجان جاں نہانی
تو از جاں زندہ جاں راندانی[۳]

امام کے نزدیک انسان کی صحیح تعریف

فرماتے ہیں: "حق یہ ہے کہ انسان روح متعلق بالبدن کا نام ہے اور روح امر سے ہے اس کی معرفتِ بے معرفت رب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اولیا فرماتے ہیں من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اپنے نفس کی معرفت اسی وقت حاصل ہو گی جب معرفتِ رب ہولے۔"[۴] اور ایک دوسری جگہ آپ کے ارشادات ملاحظہ کریں:

عرض: "کیا حضور حیوانات بھی ناطق ہیں؟"

ارشاد: "بلاشبہ"۔

عرض: "انسان کو اور حیوانات سے تمیز ناطق ہی تھی ناطق ہی انسان کی فصل ہے اور فصل کا دو جنسوں میں اشتراک محال؟"

ارشاد: یہ تمیز کس کے نزدیک ہے جاہل فلاسفہ حمقاء کے نزدیک ہی جاہل ناطق ہے۔ شجر، حجر، دیوار و در سب ناطق ہیں نص ہے: "قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئ" (ختم السجدہ) اعضا کہیں گے کہ ہم کو اس اللہ نے ناطق کیا جس نے ہر شے کو ناطق کر دیا اور نصوص کا ان کے ظواہر پر عمل واجب بلا ضرورت ان میں تاویل باطل و ناممنوع۔"[۵]

سبحان اللہ امامِ علم و فن نے جس طرح سفہائے فلاسفہ کی، کی ہوئی تعریف کو عقلاً باطل فرمایا اسی طرح یہ بھی ثابت فرما دیا کہ سفہائے روزگار کی، کی ہوئی انسانوں کی تعریف شرعاً بھی باطل و عاطل ہے۔

فخر المحققین نے جس طرح فلسفۂ قدیمہ کی شناعت و ضلالت کو تحریر و تقریر سے باطل فرمایا یوں ہی فلسفۂ جدیدہ کے مزخرفات کو بھی ابطال و ازہاق فرمایا اور اپنی تحقیقاتِ انیقہ سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح فرما دیا کہ فلسفۂ قدیمہ و جدیدہ کو اصلاً عقل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ دور حاضر میں گردشِ زمین کا مسئلہ موجود ہے، تحقیق کی رو سے اتنا عام ہو گیا ہے کہ اس کے خلاف کوئی سننا پسند نہیں کرتا۔ اسکول کے ابتدائی طالب علم سے لے کر یونیورسٹی کے گریجویٹ اور یورپ کے بڑے بڑے سائنس دانوں تک سب اسی رنگ میں رنگے نظر آتے ہیں۔

امام احمد رضا اور ردِّ گردشِ زمین

آیئے اب محققِ بریلوی کی بارگاہ میں حاضری دیں جنہوں نے اس باطل نظریہ کی بیخ کنی یوں فرمائی کی ایک ایسی ضخیم کتاب "فوزِ مبین در ردِّ حرکت زمین" تصنیف فرمائی جس میں ۱۰۵ دلائلِ قاہرہ سے حرکتِ زمین کا باطل وعاطل ہونا ثابت فرمایا ہے ۔ حکمائے یونان ہوں یا عقلائے یورپ سب کو دعوتِ عام ہے کہ امام احمد رضا کی تصنیف لطیف "فوز مبین در رد حرکت زمین" اور "معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین" کا مطالعہ کریں۔ ان دونوں کتابوں میں گردش زمین کو عقل کی روشنی میں باطل کیا گیا ہے اور امام موصوف نے کتابِ مستطاب "نزولِ آیات فرقان بسکون زمین و آسمان" تصنیف فرمائی، جس میں بہت سے دلائل شرعیہ قائم فرمائے کہ زمین و آسمان کا حرکت کرنا شرعاً باطل و مردود ہے اور سکونِ زمین و آسمان پر جو شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں سب زاہق وزائل ہیں کہ تارِ عنکبوت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے۔

ایک مرتبہ ایک امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے یہ پیشین گوئی کہ ۱۷دسمبر ۱۹۱۹ء کو چھ سیاروں کے اجتماع کے سبب آفتاب میں ایک بہت بڑا داغ ہو جائے گا جسے بغیر آلات کے دیکھا جائے گا۔ اس کی وجہ سے ممالک متحدہ میں خوفناک طوفان وزلزلے آئیں گے، سخت بارش ہو گی۔ زمین ہفتوں بعد اپنی اعتدالی حالت پر آئے گی۔ غرضیکہ اس نے قیامت کا ایک نمونہ پیش کر دیا تھا۔ امام احمد رضا نے البرٹ کی پیشین گوئیاں جو محض اباطیل بے اصل تھیں ۱۷دسمبر کا لحاظ فرماتے ہوئے ۱۷دلائل قاہرہ سے اس طرح باطل وبے بنیاد ثابت فرمادیا کہ اس کی پیش گوئیاں خوابِ پریشان کے سوا کچھ حقیقت نہیں رکھتیں، نہ تو اجتماعِ سیارات اس تاریخ کو ہو گا جس کا وہ مدعی ہے نہ ہی جاذبیت کوئی اصل و حقیقت رکھتی ہے۔ بحمدہ تعالیٰ ایسا ہی ہوا جیسا امام المہندسین امام احمد رضا نے فرمادیا۔ منجم البرٹ کی پیش گوئیاں جھوٹ اور غلط ثابت ہوئیں۔

تیری شانِ عالمانہ نے یہ ظاہر کر دیا
تجھ کو ہے زیبا امامت سیدی احمد رضا

فلسفۂ جدیدہ کے ردوابطال سے متعلق آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔ اب آیئے فلسفۂ قدیمہ کے کچھ مزعوماتِ فاسدہ کا ابطال وازہاق ملاحظہ کریں۔

بطلان جزءلا یتجزی اور امام کا نظریہ حق

فلاسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ جزءلا یتجزی باطل ہے اس سے جسمی ترکیب نہیں ہو سکتی۔ جزءلا یتجزی ایسے جز کو کہتے ہیں کہ جس کی تجزی و تقسیم قطعاً کسراً و ہماً فرضاً کسی طرح نہ ہو سکے۔ سارے متکلمین اس بات کے قائل ہیں کہ اجسام کی ترکیب جزءلا یتجزی سے ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک جزلا یتجزی باطل ہے جسم فی نفسہٖ متصل ہے جزلا یتجزی سے۔ جسم کی ترکیب نہیں ہو سکتی بلکہ جسم ہیولیٰ وصورت سے مرکب ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک جزءلا یتجزی کے ابطال کا مسئلہ ایسا ہے کہ سارے فلسفے کی تعمیر جز کے بطلان پر مبنی ہے اسی لئے فلسفۂ قدیمہ کی ساری کتابوں میں اس مسئلے کو پہلے ذکر کرتے ہیں اور اس کے ابطال سے فلاسفہ اپنا مقصد کہ جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے، ثابت کرتے ہیں چونکہ فلاسفہ ہیولیٰ کو قدیم کہتے ہیں اور ہیولیٰ اور صورت دونوں میں تلازم ہے، دونوں ایک دوسرے کے بغیر پائے نہیں جاسکتے۔ لہٰذا ہیولیٰ اور صورت دونوں قدیم ہیں۔ چونکہ ہیولیٰ اور صورت کے مجموعے کو جسم کہتے ہیں لہٰذا جسم بھی قدیم ہے اور ان کے نزدیک خلا محال ہے لہٰذا سارا عالم قدیم ہے۔ یہی وہ مسئلہ ہے جس پر فلاسفۂ سفہا کے صدہا کفریات مبنی ہیں۔ امام الفلسفہ امام احمد رضا "الکلمۃ الملہمہ" کے اکتیسویں مقام میں فرماتے ہیں:

جزءلا یتجزی باطل نہیں ہے۔ یہ وہ مسئلۂ علم کلام ہے جسے نہایت پست حالت میں سمجھا بلکہ اس کے بطلان پر یقینِ کلی کیا جاتا ہے، فلاسفہ اس کے ابطال پر چہک چہک کر دلائل حتیٰ کہ بکثرت براہین ہندسیہ قائم کرتے ہیں عقلی تمسک میں بیان ہندسیہ سے زیادہ اور کیا ہے؟ جس میں شک و تردد کو اصلاً جگہ نہیں رہتی اور متکلمین ان کے دلائل کا جواب نہیں دیتے (بلکہ) اپنے سکوت سے ان کا لاجواب ہونا بتاتے ہیں تو گویا فریقین اس کے بطلان پر اتفاق کیے (ہوئے) ہیں؛ مگر بحمدہٖ تعالیٰ ہم واضح کر دیں گے کہ اس کے رد میں فلاسفہ کی تمام حجتیں اور ہندسی برہانیں ہوا ہیں۔[۶]

آگے چل کر بیان فرماتے ہیں:

ہمارا مسلک فریقین سے جدا ہے۔ ہمارے نزدیک جزءلا یتجزی باطل نہیں خلافاً للحکماء لیکن دو جزؤں کا اتصال محال ہے خلافاً لظاہر ما عن جمہور المتکلمین۔ ظاہر ہے کہ اتصال غیر تداخل ہے تو وہ یونہی ممکن کہ ہر ایک میں شئ دون شئ یعنی جدا اطراف ہوں دونوں ایک

ایک طرف سے باہم ملیں اور دوسری طرف جدا رہیں ورنہ تداخل ہو جائے گا اور جزء میں شئ دون شئ محال۔ تو وہ (یعنی جزءلا یتجزی) اپنی نفس ذات سے آبی اتصال ہے فلسفی کی تمام براہین ہندسیہ اور اکثر دیگر دلائل اس اتصال ہی کو باطل کرتی ہیں۔ وہ خود (یعنی اتصال جزء) ہمارے نزیک نفس ملاحظہ معنیٰ اتصال و جز سے باطل ہے۔ ۷

سبحان اللہ! امام المنطق والفلسفہ امام احمد رضا نے فلاسفہ کی تمام براہین و حجج کو ایک جملہ میں اڑا دیا کہ اتصال جزئین محال ہے لہٰذا تقریر دلیل میں جو کہا کہ ایک جز کو دو جزوں کے درمیان فرض کریں، یہ فرضِ فرض محال ہے اور فلاسفہ کی ساری دلیلیں اتصال جزئین کو باطل کرتی ہیں نفس جز کا بطلان کسی بھی دلیل سے نہیں ہوتا ہے۔ جزءلا یتجزی میں شئ دون شئ ہوتی ہی نہیں کہ تغائر جہتیں نکال کر انقسام کرو۔ متکلمین نے اثبات جزء کے سلسلے میں بہت کچھ کلام کیا ہے۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "وہ ہمارے نزدیک تام نہیں اگرچہ ان میں بعض کو شرح مقاصد میں قوی بتایا۔" ۸

فلسفہ کی کتابوں میں جزءلا یتجزی کے ابطال پر جو دلائل مذکور ہیں وہ کل ۲۹ ہیں۔ ان میں اگرچہ بعض بعض میں تداخل ہیں لیکن امام احمد رضا نے ایک ایک کا ایسا ابطال وازہاق فرمایا کہ فلسفی پھر کبھی مجال دم زدنی نہیں کر سکتا۔ ان کے تمام شکوک و شبہات کا اس طرح رد فرمایا کہ ان کے پرخچے اڑا دیے نیز بعض ایسے شکوک و شبہات کو بھی ذکر کر کے رد فرمایا جو ان فلاسفہ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھے۔ عقل و نقل روایت و ہر طریقے سے اپنی بات کو امام احمد رضا نے مبرہن فرمایا اور یہ ثابت فرمایا کہ ماہرینِ زمانہ، فلسفیانہ زاویوں سے ہر بات کو دیکھنے والے، ہر مسئلے کو عقل کی روشنی میں تدقیق کی منزل پر جانے والے عقل سے کوسوں دور ہیں بلکہ طفلِ مکتب کا بھی درجہ نہیں رکھتے ہیں۔ یہ امام علم و فن کی تحقیق کہ ہر منصف مزاج اور عقل سلیم کا مالک یہ پکار اٹھے کہ اگر بو علی سینا و محقق طوسی ان کا زمانہ پاتے تو زانوئے ادب تہہ کرتے۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم۔

علومِ عقلیہ میں امام کی تصانیف

امام احمد رضا نے علوم عقلیہ میں بہت سی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں وہ کتابیں جو فہرست میں شائع ہو چکی ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

علم زیجات	۷ کتابیں	اردو، فارسی	مستقل و حواشی
علم جفر و تکسیر	۱۱ کتابیں	اردو، عربی، فارسی	مستقل و حواشی
علم جبر و مقابلہ	۴ کتابیں	عربی، فارسی	مستقل و حواشی
علم مثلث، ارثماطیقی، لوگارتھم	۶ کتابیں	اردو، عربی، فارسی	مستقل و حواشی
علم توقیت، نجوم، حساب	۱۶ کتابیں	اردو، عربی، فارسی	مستقل و حواشی
ہیئت، ہندسہ، ریاضی	۲۸ کتابیں	اردو، عربی، فارسی	مستقل و حواشی

فلسفہ و منطق میں فوز مبین، الکلمتہ الملہمہ، معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین، حاشیہ ملاجلال و میر زاہد (عربی)، حاشیہ شمس بازغہ (عربی)، حاشیہ اصول طبعی (اردو) اور ان کے علاوہ بھی ان علوم و فنون میں کتابیں ہیں۔

مآخذ و مراجع

۱۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت بریلوی، ج ۲، ص ۶۴۔۶۵، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت بریلوی، ج ۲، ص ۶۵۔۶۶، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی۔

۴۔ ایضاً، ص ۶۶۔

۵۔ ایضاً، ج ۴، ص ۹۱۔

۶۔ الکلمتہ الملہمہ، امام احمد رضا خاں بریلوی، ص ۱۰۵، مطبوعہ مکتبہ ضیاء السنہ، ملتان۔

۷۔ ایضاً، ص ۱۰۶۔

۸۔ ایضاً۔

اقسام مٹی، مسئلہ تیمم اور تحقیق رضا

مجید اللہ قادری

یونیورسٹی آف کراچی، پاکستان

ای میل: majeedgeol_pk@yahoo.com

Abstract: Imam Ahmad Raza has presented research on types of sand that is permissible to be used for tayammum. Likewise, he has also presented the types that are not permissible to be used for this purpose. This article examines his research on this topic. In his research, Raza has mentioned 181 types of sand and stone with which tayammum is permissible. 74 types were spread in the books of earlier jurists whereas 107 types have been added by Imam Ahmad Raza himself. Likewise, Imam Ahmad Raza has stated 130 types with which tayammum would be impermissible. 57 were spread in the books of earlier jurists whereas 73 types have been added by Raza himself. In total, Imam Ahmad Raza has presented 311 types in the research.

Keywords: Purity, tayammum, jurists, earth, dust, stone, geology.

خلاصہ: امام احمد رضا نے مسئلۂ تیمم میں مٹی کی قابلِ استعمال و ممنوع اقسام پر نادر تحقیق پیش کی ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں امام احمد رضا کی تیمم کے سلسلے میں مٹی اور پتھر کی اقسام و حالتوں پر اس تحقیق کو پیش کیا گیا ہے۔ اپنی تحقیق میں امام احمد رضا نے ۱۸۱ مزید ایسی اقسام کو بیان کیا ہے، جن سے تیمم جائز ہے ان میں سے ۷۴ پچھلے فقہا نے بیان کی ہیں؛ جبکہ ۱۰۷ اقسام کا اضافہ امام احمد رضا کی کاوش ہے۔ اسی طرح امام احمد رضا نے ۱۳۰ مٹی اور پتھر کے اقسام اور حالتیں بیان کی ہیں، جن سے تیمم ناجائز ہے؛ ان میں سے ۵۷ پچھلے فقہا نے بیان کی ہیں اور ۷۳ امام احمد رضا کی اضافہ کردہ ہیں۔

اہم الفاظ: طہارت، تیمم، فقہا، جنسِ ارض، مٹی، پتھر، ارضیات، حجریات۔

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ [۱] اور جب پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منھ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ [۲] حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (المتوفّٰی ۱۳۶۷ھ\۱۹۴۸ء) اپنے حاشیۂ قرآن ''خزائن العرفان'' میں مسئلۂ تیمم سے متعلق رقمطراز ہیں:
''تیمم میں نیت بالاجماع شرط ہے، کیونکہ وہ نص سے ثابت ہے۔ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو، جیسے گرد، ریتا پتھر ان سب پر تیمم جائز ہے۔ خواہ پتھر پر غبار بھی نہ ہو، لیکن پاک ہونا ان چیزوں کا شرطِ اوّل ہے۔''
آگے چل کر تیمم کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تیمم میں دو ضربیں ہیں: (۱) ایک مرتبہ ہاتھ مار کر چہرہ پر پھیر لیں۔ (۲) دوسری مرتبہ ہاتھوں پر۔''

امام احمد رضا خاں قادری محدثِ بریلوی مسئلۂ تیمم کے جواز سے متعلق امام ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالے سے رقمطراز ہیں: ''تیمم ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس اور زمین کے اجزا سے ہو، جیسے مٹی، ریت، چونا، ہڑتال، گچ، پتھر، ڈھیلا، اثمد، سرمہ، گلِ سرخ، گلِ زرد، گیرو، دیوار، مردار سنگ وغیرہ۔'' [۳]

امام احمد رضا نے در مختار کے حوالے سے اس بات کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ اگر مٹی خالص نہ ہو اس میں دیگر غیر زمینی اجزا کی ملاوٹ ہو تو کب اس مٹی سے تیمم جائز ہو گا۔ اس صورت کو بیان کرتے ہوئے حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''مٹی میں جب ایسی چیز مل جائے جو جنسِ ارضی سے نہ ہو تو اس میں غلبے کا اعتبار ہو گا مٹی کا غلبہ ہو تو تیمم جائز ہے، ورنہ نہیں۔ [۴]

امام احمد رضا تیمم کے لیے زمین یا مٹی کی جنس سے متعلق ایک اور وضاحت کرتے ہوئے ''فتاویٰ ظہیریہ'' اور ''خزانۃ المفتین'' کے حوالے سے مسئلہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''جو زمین کا جوہر نہ ہو یا زمین ہی کا جوہر ہو مگر وہ پگھلانے، جلانے کے ذریعے اپنے جوہر و اصل سے جدا ہو گیا ہو تو اس سے تیمم جائز نہیں۔ تو سونا، چاندی تانبا، لوہا اور ایسی ہی دوسری چیزوں سے جب تک یہ زمین میں رہیں اور ان سے کچھ نہ بنایا گیا ہو، تیمم جائز ہے۔ جب ان سے کوئی چیز بنا دی گئی تو اس سے تیمم جائز نہیں جیسا کہ اس پر غبار نہ ہو۔'' [۵]

امام احمد رضا نے تیمم کے سلسلے میں اس کے فقہی مسائل کے بعد اپنے فتاویٰ میں تفصیل کے ساتھ ان تمام مٹی اور پتھروں کا تفصیل سے تجزیہ کیا اور بتایا کہ اس پاک مٹی یا پتھر کی کیا کیا شکلیں ہو سکتی ہیں، جن سے تیمم جائز ہو اور کون کون سی مٹی اور پتھر کی ایسی حالتیں ہیں کہ ان سے تیمم جائز نہیں۔ امام احمد رضا نے فقہائے کرام کے بارہ سو سالہ کام کو یکجا کر دیا اور تمام فقہائے کرام کی تحریروں کا وسیع مطالعہ کرتے ہوئے ان کی کتابوں اور فتاویٰ میں سے مٹی یا پتھر کی اقسام یا کیفیات کو سامنے رکھتے ہوئے اوّل ان کے جواز اور پھر عدمِ جواز کی فہرست مرتب کی جو احقر کی نظر میں خود ایک پی ایچ ڈی کے مقالے سے کم نہیں ہے۔ اس کی تفصیل امام احمد رضا کے فتاویٰ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے اوّل ایک سو اکاسی (۱۸۱) چیزوں کو بیان کیا جن سے تیمم جائز ہے مگر ان میں صرف ۷۴ وہ اقسام یا حالتیں ہیں جن کے بارے میں بارہ سو سال کے فقہائے کرام نے جواز کا فتویٰ دیا مگر یہ عجوبہ نہیں تو کیا ہے کہ خود امام احمد رضا نے ۱۰۷ اقسام کی مٹی یا پتھر یا ان کی حالتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اضافہ کیا۔ یہاں قرآنِ کریم کی یہ بات امام احمد رضا کے لیے صادق آتی ہے ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء اس کے بعد امام احمد رضا نے ان پتھروں یا مٹی کی اقسام یا حالتوں کا ذکر کیا کہ جن سے تیمم فقہائے کرام نے ناجائز بتایا۔ اس سلسلے میں آپ رقمطراز ہیں:

وہ بعض اشیا جن سے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک تیمم صحیح نہیں۔ ظاہر ہے کہ اشیائے معدودہ کہ جنسِ ارض ہیں ان کے سوا دنیا کی تمام چیزیں ہمارے ائمہ کے اجماع سے ناقابلِ تیمم ہیں تو ان کا شمار نامقدور مگر ہم یہاں بدستور ان کا ذکر کریں جن پر کتب میں نص اس وقت پیشِ نظر۔ عام ازیں کہ ان میں کوئی محلِ خفا ہو یا نہ ہو جیسے علما نے نص فرمایا ہے کہ گھاس، لکڑی، مہندی، برف سے تیمم باطل ہے اس پر بعض عوام کہیں گے علما نے ایسی چیزیں کیوں گنائیں۔ ان سے تیمم نہ ہو سکتا ہر شخص جانتا ہے۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے ہر شخص اگر جانتا بھی ہے تو یوں ہی کہ علمائے کرام افادہ فرما گئے ورنہ کیا اپنے گھر سے جان لیتا۔[۶]

امام احمد رضا نے مٹی اور پتھر کے اقسام اور ان کی وہ حالتیں جن سے فقہائے کرام نے تیمم کو باطل قرار دیا بارہ سو سال فقہی ریکارڈ میں سے ۵۷ اقسام یکجا کر کے ان کی فہرست مرتب کر دی، مگر امام احمد رضا کی اپنی تحقیق نے اس میں ۷۳ کا اضافہ کیا جو ان کی علمی بصیرت اور وسیع النظری کا بیّن ثبوت ہے۔ اس لحاظ سے امام احمد رضا نے کل ۳۱۱ اقسام کی مٹی یا پتھر اور ان کی حالتوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں

سے ۱۸۱ سے تیمم جائز، جن میں ۷۴ منصوصات ہیں یعنی فقہاے کرام کی کاوشوں نے ۷۴ اقسام بتائی ہیں جبکہ ۱۰۷ کا اضافہ فردِ واحد یعنی امام احمد رضا نے کیا ہے۔ اسی طرح ۱۳۰/ اقسام وہ ہیں جن سے فقہاے کرام نے تیمم کو باطل بتایا۔ ان میں ۵۷ منصوصات ہیں جب کہ ۷۳ زیادات امام احمد رضا کی جانب سے پیش کی گئی ہیں۔ اس موقع پر امام احمد رضا اظہارِ تشکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا اور ساری خوبیاں اولاً و آخراً خدا ہی کے لیے ہیں اور اسی سے باطناً و ظاہراً توفیق ارزانی بھی ہے۔''ے

اب ملاحظہ کیجیے تیمم کے جواز کے سلسلے میں ۱۸۱/ اقسام کے پتھر یا مٹی یا ان کی حالتوں اور کیفیات کے باعث مختلف ناموں کی فہرست اوّل ۷۴ منصوصات ہیں اور بعد میں امام احمد رضا کی طرف سے اضافہ کیے گئے ۱۰۷/ اقسام کی فہرست بھی شامل ہوگی۔ (۱)خاک (۲) خاک شور (۳) ریتا (۴) پتھر (۵)باریک پسا یا سالم پتھر (۶) غبار (۷) ناپاک خشک چیز پر گرا ہوا غبار (۸)تر زمین (۹)مقبرے کی زمین (۱۰) گرد باد بگولا (۱۱) جلی ہوئی زمین (۱۲)نمک زار زمین (۱۳) پیلی مٹی (۱۴)سرخ مٹی (۱۵)گیرو (۱۶)کالی مٹی (۱۷) سپید مٹی (۱۸)سبز مٹی (۱۹)طفل مصری (۲۰)ڈھیلا (۲۱)گل ارمنی (۲۲)گل مختوم (۲۳)گوندے کی دیوار (۲۴)ڈھیلوں کی دیوار (۲۵)کچی اینٹ کی دیوار (۲۶)مٹی سے لسی ہوئی دیوار (۲۷) کچی اینٹ (۲۸) گارا(۲۹) کیچڑ جس میں مٹی غالب ہو(۳۰) جلی ہوئی خاک (۳۱)مٹی کے آب خورے مٹکے (۳۲)وہ ظروف جن پر گیرو یا ملتانی مٹی کی رنگت ہو(۳۳)سبز چپکتی چکنی مٹی (۳۴)قلعی دار ظرف کا وہ رخ جس طرف قلعی نہیں (۳۵)ٹھیکری (۳۶) پسی ہوئی ٹھیکری (۳۷) پکی اینٹ (۳۸)روڑا(۳۹)کتل (۴۰) کنکریٹ (۴۱) بجری (۴۲)باریک کٹی ہوئی پکی اینٹ (۴۳) کنکری (۴۴)درزی کی بٹیاں(۴۵)گچ(۴۶)گچ کی ہوئی دیوار (۴۷)کلس چونا(۴۸)پتھر کی راکھ(۴۹) کھنگر(۵۰) پتھر پھونک کر پیس لیا جائے(۵۱) نرم پتھر پیس کر پھونکا جائے(۵۲)نورہ (۵۳)یاقوت (۵۴)زمرد (۵۵)زبرجد(۵۶)فیروزہ (۵۷)بلخش (۵۸)عقیق (۵۹)مرجان (۶۰)سرمہ (۶۱)اصفہانی سرمہ (۶۲)گندھک (۶۳)زرنیخ زرد (۶۴)زرنیخ سرخ (۶۵)زرنیخ سپید

(۶۶)زرنیخ سیاہ (۶۷)مردار سنگ معدنی (۶۸)توتیا (۶۹)معدنی شیشہ (۷۰)لاھوری نمک (۷۱)وہ نمک کہ مٹی سے بنا ہو (۷۲)خاک جس میں کم راکھ ملی ہو (۷۳) خاک جس میں کم آٹا ملا ہو (۷۴)سونا، کپڑا، آدمی جانور جس چیز پر مٹی یا غبار ہو کہ ہاتھ پھیرے سے انگلیوں کے نشان بن جائیں۔۸

امام احمد رضا خاں قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے ان ۷۴ اقسام کو جمع کرنے کے بعد اپنی تحقیق سے ۱۰۷/ اقسام کی مٹی اور ان کی کیفیات کا اضافہ کیا جو مندرجہ ذیل ہیں اور ان سے بھی تیمم جائز ہے۔ ملاحظہ کیجیے ۱۹۷/ اقسام کی مٹی کی تفصیلات: (۷۵) خاک شفا (۷۶) مسجد کی دیوار (۷۷)مسجد کا کچا یا پکا فرش (۷۸) زمین جس پر شبنم پڑی ہے (۷۹) سخت زمین جس پر مینھ برس کر پانی نکل گیا (۸۰)گھڑا اوپر سے بھیگا ہوا (۸۱)کھریا مٹی (۸۲)ملتانی مٹی (۸۳)گل سر شوے (سر دھونے کی سفید مٹی) (۸۴) گلِ خوردنی خالص (سوندھی مٹی جسے طین خراسانی بھی کہتے ہیں (۸۵) پنڈول (۸۶) پھوڑی مٹی (جلد بکھر جاتی ہے) (۸۷) سنکر کی مٹی (مثل سونے کی) (۸۸)چولھے کی بھٹ (۸۹)تنوں کا پیٹ (۹۰) دیوار کی لونی (۹۱) ندی نالے کا گیلا ریتا (۹۲)بالو (بھاڑ کا ریتا) (۹۳)سراب کہ دور سے پانی نظر آتا ہے (۹۴)ریگ رواں (۹۵) دیگچیوں کا تلا (۹۶)درختوں کا تنا جس پر آبلے نے مٹی چڑھادی (۹۷)سانپ کی بانبی (۹۸) کنکر (۹۹) کھرنجا (۱۰۰)پکی سڑک (۱۰۱)ریہ (نمکین خاک) (۱۰۲) سچی چینی کے برتن جبکہ روغن نہ ہو (۱۰۳)گندھک کے برتن (۱۰۴)مٹی کے کھلونے (۱۰۵)غلیل کے غلّے (۱۰۶)پتھر کی بجری (۱۰۷) سیمنٹ (۱۰۸)ہرونجی (۱۰۹)سیل کھری (۱۱۰)گٹی عمارت کا چونا (۱۱۱)کالا چونا (۱۱۲) گٹا (۱۱۳) صندلہ گٹی (۱۱۴)سفید معدنی پتھر (اسفیداج) (۱۱۵) کہگل کی دیوار (۱۱۶) صندلہ دیوار (۱۱۷) سیمنٹ کی دیوار (۱۱۸)دیوار بالو (۱۱۹)دیوار جن پر بادامی (۱۲۰)لاکھی (۱۲۱)سرخ (۱۲۲)سبز (۱۲۳)زرد (۱۲۴)دھانی (۱۲۵)آسمانی (۱۲۶)کھتئ (۱۲۷)زنگاری (۱۲۸)خاکی (۱۲۹)فاختئ (۱۳۰)پیازی (۱۳۱)فیروزی رنگتیں ہوں (۱۳۲)پکی قبر (۱۳۳)سنگِ مرمر (۱۳۴)سنگِ موسیٰ (۱۳۵)سنگِ سپید (۱۳۶)سنگِ سرخ (۱۳۷)چوکا گہرا سبز (۱۳۸)سنگِ ستارہ (سرخی مائل) (۱۳۹)گئودنتی (سپید نیلگوں جھلکدار) (۱۴۰)حجر الیہود (۱۴۱)مقناطیس (۱۴۲)سنگ سماق

(۱۴۳)سان (۱۴۴) سلی (۱۴۵) کرنڈ (۱۴۶) کسولی (۱۴۸) چقماق (۱۴۹) ریل کا کوئلہ کہ پتھر ہے (۱۴۹)سلیٹ (۱۵۰) ترکستان کا پتھر (۱۵۱) شام کا پتھر (۱۵۲) صِقلَبّہ (وہ پتھر گرم پانی سے مشتعل ہوتا ہے اور تیل سے بجھتا ہے) (۱۵۳) حجر القتیلہ (۱۵۴) بلور معدنی (۱۵۵) سنگ جراحت (۱۵۶) لاجورد (۱۵۷) زہر مہرہ (۱۵۸) مہرۂ معرکہ (۱۵۹) دریائی توتیا (یہ توتیا بحری بھی ہوتا ہے سفید گول سنگریزے کی طرح) (۱۶۰) الماس (ہیرا) (۱۶۱) لعل (۱۶۲) نیلم (۱۶۳) پکھراج (۱۶۴) یشب (۱۶۵) گئوسید ک (نورتن کا ایک پتھر) (۱۶۶) سنگِ شجری (۱۶۷) سنگ سنہرا (168) بُسدّ یا بیخ مرجان (۱۶۹) دہنج (دہن فرنگ) (۱۷۰) عین الہر (لہسنیا) (۱۷۱) جزع (مہرۂ یمانی) (۱۷۲) دانۂ سلیمانی (۱۷۳) سبز (۱۷۴) خاکی (۱۷۵) سنہری ہڑتال (۱۷۶) توسِل (۱۷۷) بٹا (۱۷۸) چکیّ کے پاٹ (۱۷۹) تولنے کے باٹ (پتھر کے) (۱۸۱) کھرل کیوں نہ معدود ہوں (۱۸۱) ابرک معدنی۔

امام احمد رضا محدثِ بریلوی نے یہاں کل ۱۸۱/ اقسام کے پتھر یا مٹی یا اس کی کیفیات یا حالتوں کا ذکر کیا ہے۔ بعض نام پہچان میں آتے ہیں، بعض نام ایسے ہیں کہ ان کی تشریح کی ضرورت ہے جو کہ فتوے میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اس مقالے کا مقصد یہ ہے کہ کم از کم ان تمام اقسام کے پتھر یا مٹی کے نام یک جا کر دیے جائیں۔ اب بہت سے نام ایسے ہیں کہ جب تک قاری ان کی تفصیل نہ پڑھ لیں وہ سمجھ میں نہیں آئیں گے؛ اس لیے ان قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ وہ ذوقِ مطالعہ کو بڑھاتے ہوئے فتاویٰ رضویہ جدید کی جلد سوم کے صفحات ۶۴۲ تا ۶۴۹ ضرور مطالعہ کریں تاکہ ان تمام پتھروں اور مٹی کی حالتوں کی تفصیل سے آپ کو آگاہی حاصل ہو جائے۔ ان تمام ناموں میں ایک اور کام کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تمام ناموں کو آج کی اصطلاحات کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ راقم مستقبل میں کوشش کرے گا، لیکن اگر کوئی محقق اس کام کو مکمل کر لے تو اس کا یہ کام علمی دنیا میں ضرور پزیرائی حاصل کرے گا۔

ان تمام پتھروں اور مٹی کی اقسام یا ان کی کیفیات کو پڑھنے کے بعد ایک سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ ان سارے پتھروں کے نام کون یاد رکھے گا اور کون ان تمام اقسام کو اپنے ذہن میں قائم رکھ سکے گا اور

اس کی ضرورت کیا ہے جب کوئی ایسا مسئلہ آئے گا تو کسی مفتی سے پوچھ لیں گے؟ یہ بات درست ہے کہ عوام کو جب بھی معاملات میں الجھن در پیش ہوتی ہے وہ زمانے کے مفتیان سے ہی رجوع کرتے ہیں اور امام احمد رضا سے بھی ایک سائل یعنی مستفتی نے ایک مختصر سا سوال کیا تھا: ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِس مسئلہ میں سوال اوّل تیمم کی تعریف وماہیت شرعیہ کیا ہے ۱۳۲۵ھ'' امام احمد رضا نے اس کے جواب میں ایک انتہائی مبسوط رسالہ بنام: ''حسن التعمّم لبیان حد التیمّم''(۱۳۲۵ھ) (تیمم کی ماہیت و تعریف کا بہترین بیان) جو فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات) جلد سوم کے صفحہ ۳۱۱ سے شروع ہو کر ۱۴۷ تک اور پھر جلد چہارم کے صفحہ ۳۱ سے لے کر صفحہ ۳۲۰ تک دیکھا جاسکتا ہے اس طویل مقالے یا رسالے کے اندر امام احمد رضا نے مزید سات رسائل اور لکھے ہیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

سات رسائل ضمنیہ

۱۔ سمح الندرٰی فیمایورث العجزعن الماء، جلد سوم، ص ۴۱۱، ۴۴۰۔

۲۔ الظفر لقول زفر، جلد سوم، ص ۴۴۱، ۴۶۳۔

۳۔ المطر السعید علی نبت جنس الصعید، جلد سوم، ص ۵۷۹، ۷۰۷۔

۴۔ الجدّ السّدید فی نفی الاستعمال عن الصعید، جلد سوم، ص ۷۱۷، ۷۳۸۔

۵۔ قوانین العلما فی متیمّم علم عند زید ماء، جلد چہارم، ص ۳۱، ۱۸۷۔

۶۔ الطلبة البدیعة فی قول صدر الشریعة، جلد چہارم، ص ۲۸۲، ۱۸۹۔

۷۔ مجلی الشمعة الجامع حدث ولمعة، جلد چہارم، ص ۲۸۳، ۳۲۰۔

ان تمام رسائل میں مٹی یا پتھر سے تیمم کے مسئلے کے لیے امام احمد رضا کا رسالہ ''المطر السعید علی نبت جنس الصعید'' قابل مطالعہ ہے۔ اس رسالے میں امام احمد رضا جب پتھروں کی اقسام اور خاص کر جنسِ ارضی سے متعلق گفتگو فرماتے ہیں تو وہ ایک عالم حجریات اور عالم ارضیات نظر آتے ہیں اور علم حجریات سے متعلق کچھ ایسے قوانین پیش کرتے نظر آتے ہیں جن سے ابھی علم حجریات والے ناواقف

ہیں احقر کوشش میں ہے کہ اس رسالے کو سہل انداز میں اور جدید اصطلاحات کے ساتھ عوام الناس اور قارئین کرام کے سامنے پیش کر سکے تاکہ دنیا جانے کہ علمائے دین صرف اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے ان احکامات ہی کو نہیں جانتے جو دینی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ وہ ان تمام قوانینِ فطرت سے بھی اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قرآن و حدیث میں بیان فرمائے ہیں۔

امام احمد رضا سے جب تیمم سے متعلق سوال پوچھا گیا تو ان کے لیے آسان تھا کہ چند لائنوں میں اس کا مختصر جواب دیتے کہ کسی بھی پاک خشک مٹی یا پتھر سے جو جنسِ ارض سے تعلق رکھتا ہو اس سے تیمم کر لیا کریں۔ یہ جواب تو کافی ہوتا مگر اب جب سائل ان مٹی اور پتھروں کے اقسام کو دیکھتا اور ان کی مختلف حالتیں بھی اس کے سامنے ہوتیں اب وہ کسی کو پاک پتھر اور مٹی سمجھتا اور کسی کو نہیں یا رنگ برنگی مٹی اور پتھروں میں سے کن کن کو وہ تیمم کے لیے چنتا اور کن کن کو وہ رَد کر دیتا ہے یا اگر کسی اور مفتی کے پاس جاکر وہ اس قسم کی تفصیلی معلومات حاصل کرتا تو وہ مفتی اس کو کہاں سے اور کس طرح جواب دیتا۔ ایک مخلص مفتی اس سے وقت طلب کرتا کہ مجھے مطالعے کا موقع دو کہ بارہ سو سال کی تاریخ دیکھ سکوں کہ ہمارے فقہانے کن کن پتھروں اور مٹی سے تیمم روا رکھا ہے۔ اس کے بعد صحیح جواب دوں گا۔ اب یہ مفتی کتنے عرصے میں بارہ سو سالہ فقہائے کرام کے تمام کام کو یک جا کر کے اس کی فہرست تیار کرتا یہ سوالیہ نشان ہے مگر امام احمد رضا نے قیامت تک کے مفتیان کے لیے آسانی پیدا کر دی اور انھوں نے بارہ سو سال کی تاریخ میں پھیلے ہوئے تمام تیمم کے مسائل کو چٹکی بجاتے اس طرح اکٹھا کر لیا جیسے آج کمپیوٹر چند سیکنڈ میں اگر فقہائے کرام کی تمام کتابیں اس میں موجود ہیں تو لفظ تیمم کی مٹی یا پتھر کی تمام عبارتوں کو یک جا کر دے گا اور آپ پرنٹ نکال کر اس لسٹ کو حاصل کر لیں گے مگر آج سے ۱۰۰ سال قبل امام احمد رضا نے جب یہ رسالہ لکھا تو اس وقت یہ ڈیٹا کمپیوٹرائزڈ نہیں تھا مگر ان کے ذہن کے کمپیوٹر میں وہ سارا مواد ضرور موجود تھا اور انھوں نے اس کو ایک رسالے کی صورت میں مرتب کر دیا۔ امام احمد رضا نے بارہ سو سال کے فقہائے کرام کے کام کو نہ صرف اکٹھا اور ایک ساتھ مرتب کیا بلکہ قیامت

تک آنے والے فقہاے کرام جتنا کچھ مزید اس تیمم کے سلسلے میں پتھروں اور مٹی کی اقسام سے متعلق سوچ سکتے تھے انھوں نے تمام ممکنہ صورتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان پتھروں اور مٹی کے مزید ۱۰۷ر اقسام کا اضافہ کرکے تیمم کے لیے ۱۸۱ر اقسام کے پتھروں اور مٹی کی حالتوں کی ایک طویل فہرست مرتب کردی کہ نہ جانے تیمم کرنے والا کہاں ہو اور اس کو کیا چیز میسر ہو۔ چنانچہ جنسِ ارض سے تعلق رکھنے والے تمام پتھروں، خاک، مٹی، گیلی یا خشک خالص یا ملاوٹ شدہ ان سب کا ذکر کرکے تفصیل سے آگاہ کردیا۔ اللہ تعالیٰ امام احمد رضا کی قبر پر کروڑہا رحمتیں نازل کرے کہ ان کی فہم وذکا، وسعتِ نظری، علم کی گہرائی نے ہمارے لیے تیمم کے مسئلے میں آسانی کردی۔ امام احمد رضا نے تیمم کے سلسلے میں ان پتھروں اور مٹی کی اقسام اور کیفیات کا بھی تفصیلی مطالعہ کرکے فہرست دے دی ہے جن سے تیمم فقہاے کرام نے باطل قرار دیا ہے۔ یہ وہ مٹی اور پتھر کی اقسام ہیں جو جنسِ ارض سے تعلق نہیں رکھتیں یا مٹی کی وہ حالتیں ہیں جن میں مٹی اور خاک کا غلبہ نہیں جنسِ ارض کا غلبہ ہے؛ اس لیے ان سے تیمم نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ انھوں نے پہلے پچھلے بارہ سو سال کی فقہاے کرام کی کتابوں کا مطالعہ کرکے ۵۷ر اشیا کی فہرست مرتب کی جن سے تیمم ناجائز ہے اور پھر اپنی تحقیق سے اس میں ۷۳ کا اضافہ کرکے اس کی کل تعداد ۱۳۰ر تک پہنچادی۔ اس طرح کل ۳۱۱ر اقسام کی فہرست مرتب ہوئی، جن میں سے ۱۸۱ر سے تیمم جائز رکھا گیا جب کہ ۱۳۰ سے ناجائز قرار پایا۔ اب ملاحظہ کیجیے وہ فہرست جس میں پہلے ۵۷ منصوص چیزوں کا ذکر ہے اور بعد میں مزید ان کی صورت میں ۷۳ کا اضافہ فکرِ رضا ہے۔

پہلے ملاحظہ کیجیے ۵۷ر اقسام کی اشیا یا ان کی حالتیں جو پچھلے فقہاے کرام نے وقتاً فوقتاً لوگوں کو تعلیم دیتے ہوئے جمع فرمائیں۔

منصوصات: (۱) جما ہوا پانی (۲) کپڑا (۳) نمدا (۴) درخت (۵) گھاس (۶) لکڑی (۷) کھورا (۸) نباتات (۹) میوے (۱۰) مہندی (۱۱) وسمہ (۱۲) گیہوں (۱۳) جو (۱۴) ہر قسم کا غلہ (۱۵) آٹا (۱۶) ستو (۱۷) جملہ اقسامِ طعام (۱۸) سونا (۱۹) چاندی (۲۰) لوہا (۲۱) رانگ (۲۲) سیسا (۲۳) تانبہ (۲۴) صُفر معدنی زرد تانبا (۲۵) جست (۲۶) موتی یا (۲۷) غبار سے پسے پسے ہوئے موتی (یہ اشیا وہ

ہیں کہ ان کو کان سے نکال کر اور پگھلا کر خالص دھات میں ڈھالا گیا ہے؛ اس لیے اب ان سے تیمم نہیں ہو سکتا۔ ہاں جب تک یہ کان میں موجود تھے ان سے تیمم جائز تھا)۔ (۲۸) چھوٹا موتی (۲۹) سانبھر (۳۰) ہر نمک کہ پانی سے بنا ہو (۳۱) مشک (۳۲) عنبر (۳۳) کافور (۳۴) زعفران (۳۵) سُک ایک قسم کی خوشبو (۳۶) زاج (پھٹکری) (۳۷) ہیرا کسیس سبز (۳۸) ہیرا کسیس سیاہ (۳۹) مرد ارسنگ (۴۰) پارہ (۴۱) مصنوعی شیشہ (۴۲) راکھ (۴۳) نمک زار زمین (۴۴) نمک زار گیلی (۴۵) ظروف قلعی کے ساتھ (۴۶) ظروف جس پر رنگ کیا ہوا ہو (۴۷) روغنی ظروف (۴۸) ٹھیکری جس میں دوائیں ڈال کر پکائی ہوں (۴۹) مٹی جس میں راکھ کا غلبہ ہو (۵۰) خاک جس میں آٹا برابر یا غلبے کے ساتھ ہو (۵۱) کیچڑ جس پر پانی غالب ہو (۵۲) ناپاک زمین (۵۳) غبار کہ ناپاک زمین سے اٹھا (۵۴) غبار کہ ناپاک تر چیز پر گرا اور خشک ہو گیا (۵۵) غبار کہ خشک چیز ناپاک پر گرا اور اس کو تری ملی (۵۶) درزی کی رنگیں بٹیاں (۵۷) قبرستان کی نجس مٹی۔[۹]

امام احمد رضا نے اپنی محنت، حافظے اور مطالعے کی بنیاد پر پچھلے فقہاے کرام کی طرف سے بتائی گئی ۵۷/ اشیا کی فہرست مرتب فرمائی جو آپ نے اوپر ملاحظہ کی۔ اب امام احمد رضا کی اپنی تحقیق سے ۷۳/ اشیا کی مزید فہرست ملاحظہ کریں جن سے تیمم باطل ہے: (۵۸) زمین یا پہاڑ جس پر دوب اُگی ہے (۵۹) جس پر برف جما ہوا ہے (۶۰) جس زمین پر برف پگھل کر بہہ رہا ہے (۶۱) جس زمین پر مینھ برس رہا ہے (۶۲) جس زمین پر مینھ برس کر کھل گیا مگر پانی جاری ہے (۶۳) پکا فرش یا دیوار جس پر کاہی جمی ہے (۶۴) باورچی خانے کی دیوار جس پر دُھر تا چڑھا ہے۔ (۶۵) وہ زمین جس پر کسم کی بجھی پھری ہے (۶۶) مٹی کا چراغ جس پر کانٹھ چڑھی ہے (۶۷) گِلِ حکمت جس میں غیر جنس ارض کی مقدار زیادہ ہے (۶۸) رامپوری چینی جس پر مسالا ہے (۶۹) تام چینی کہ جس پر ٹین اور مسالا ہے (۷۰) وہ سچّی چینی یا (۷۱) مٹی کے کھلونے جن پر غیر جنسِ ارض کا روغن ہے (۷۲) وہ نورہ اور (۷۳) گِلِ خوردنی اور (۷۴) غلیل کے غُلّے جن میں غیر جنس مقدار میں کم نہیں (۷۵) پارے کا کٹورہ (۷۶) پارے کا کشتہ (۷۷) سونے، چاندی، رانگ کسی دھات کا کشتہ (۷۸) پیتل جو تانبہ اور جست سے ملا کر بنتا ہے

(۷۹)گانساسات دھاتوں کا مجموعہ (۸۰)بھرت (۸۱)نکل (۸۲)جرمنی سلور (۸۳)لکڑی (۸۴)شورہ (۸۵)نوشادر (۸۶)سہاگا (۸۷)پھٹکری (۸۸)نیلا تھوتھا (۸۹)بورۂ ارمنی (۹۰)کہربا یہ گوند ہے (۹۱)قلعی کا سپیدہ (۹۲)کاجل (۹۳)طباشیر (بانس کی رطوبت) (۹۴)سیندور رانگ اور سفیدہ کا مرکب (۹۵)شنجرف مصری (۹۶)شنجرفِ شامی (۹۷)شنجرفِ مہوسان (۹۸)شنجرفِ ہندی (۹۹)شنجرفِ رمانی (۱۰۰)شنجرف رومی (۱۰۱)لوبان (۱۰۲)اگربتی (۱۰۳)مولی کا نمک (۱۰۴)سجی (۱۰۵) لیموں کا سَتْ (۱۰۶)نباتات کے اڑائے ہوئے جوہر (۱۰۷)جلا کر نکالے ہوئے نمک (۱۰۸)کانچ (۱۰۹)سیپ (۱۱۰)گھونگھا (۱۱۱)سنکھ (۱۱۲)خرمہرہ (۱۱۳)سیپ کا چونا (۱۱۴)لاجورد (۱۱۵)توتیا (۱۱۶) مہرۂ کار (مصنوعی) (۱۱۷) سنکھیا (۱۱۸)وہ پتھر جو پہاڑی بکری (۱۱۹)بندر اور (۱۲۰)ساہی کے سر و جوف میں ملتے ہیں (۱۲۱)سنگ ماہی پتھر چٹے کے سر میں کہ ایک مچھلی ہے۔ (۱۲۲)گئور دہن گائے کے بدن میں (۱۲۳)مارمہرہ سانپ کے سر میں جسے من کہتے ہیں (۱۲۴)سنگِ قمر (اوس گر کر جم جاتی ہے اور چودھویں رات میں براق کی طرح چمکتا ہے (۱۲۵)سنگِ قمر جس چٹان پر جمی ہو اس پر بھی نہیں (۱۲۶)سنگِ گردہ (۱۲۷) سنگِ مثانہ (۱۲۸)سنگِ بصری سیسے کا دھواں (۱۲۹)سنگِ راسخ جلا ہوا تانبا (۱۳۰) سنگِ سبوُیہ (ایک قسم کے بیج)۔

ماخذ و مراجع

۱۔ النساء، آیت نمبر ۴۳۔

۲۔ ترجمہ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن۔

۳۔ خلاصۃ الفتویٰ بحوالہ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات)، جلدِ سوم، ص۶۱۹۔

۴۔ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات)،، جلدِ سوم، ص۶۱۲۔

۵۔ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات)، جلد سوم، ص۶۲۵۔

۶۔ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات)، جلد سوم، ص۶۴۹۔

۷۔ فتاویٰ رضویہ جدید، جلد سوم، ص۶۵۸۔

۸۔ فتاویٰ رضویہ جدید، جلد سوم، ص۶۲۸ تا ۶۴۲۔

۹۔ فتاویٰ رضویہ (مع تخریج وترجمہ عربی عبارات)، جلد سوم، ص۶۵۰ تا ۶۵۵۔

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا ترجمان، ہفت روزہ "الہام" (بہاولپور): اعلیٰ حضرت نمبر کا تحقیقی مطالعہ

محمد زبیر

شعبۂ تاریخِ اسلام، یونیورسٹی آف کراچی، پاکستان

ای میل: imamahmadraza@gmail.com

Abstract: Weekly *Ilham* (Bahawalpur) was one of the first journals to publish a special issue on life and works of Imam Ahmad Raza. This article presents an overview of the types of articles included in "Alahazrat Barelvi Number" of *Ilham* that was published in June 1975. There were 13 articles from prominent ulema and scholars on various aspects of the life and works of Raza. Besides the prose, there was a section on poetry in which certain poems and verses in praise of Imam Ahmad Raza were included.

Keywords: Politics, Jurisprudence, two-nation concept, ulema of Makkah, naatia poetry, Persian poetry

خلاصہ: امام احمد رضا کی حیات و خدمات پر پہلا خصوصی نمبر شائع کرنے میں ہفت روزہ "الہام" بہاولپور کا نام سرِ فہرست ہے۔ پیشِ نظر مقالے میں الہام کے "اعلیٰ حضرت بریلوی نمبر" کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ نمبر جون ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں شائع ہونے والے ۱۳ مضامین امام احمد رضا کی حیات و خدمات کے مختلف پہلوؤں سے متعلق اُس دور کے معروف علما اور اسکالر حضرات نے تحریر کیے تھے۔ حصہ نثر کے علاوہ اس خصوصی شمارے میں حصہ نظم بھی تھا جس میں معروف شعرا نے امام احمد رضا کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا تھا۔

اہم الفاظ: سیاست، فقہ، دو قومی نظریہ، علمائے مکہ، تصوف، علم الکلام، نعتیہ شاعری، فارسی شاعری، ردِ بدعات و منکرات

۱۸۵۷ء میں بر صغیر سے مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کے خاتمے اور انگریزی دور کے آغاز نے باشندگان بر صغیر خصوصاً مسلمانوں کی حالت انتہائی دگر گوں کر دی۔ ہندوؤں اور انگریزوں کے باہمی گٹھ جوڑ نے مسلمانوں کو ہر شعبہ ہائے زندگی میں پیچھے دھکیلنے اور ان کی نسل کُشی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، مسلمانوں کے لیے یہ دور (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء) بڑا ہی کٹھن اور مایوس کن تھا۔

اس دور میں جہاں کئی نامور مسلم رہنماؤں نے اپنی قوم کی ڈوبتی کشتی کو بھنور سے نکالنے کی کوششیں کیں تو وہیں مختلف اخبار و رسائل نے بھی مسلمانوں کی اصلاح و رہنمائی کا فریضہ انجام دینے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انہیں میں ایک نام ہفت روزہ ''الہام'' کا بھی ہے۔ جس کا اجرا جناب مسعود حسن شہاب دہلوی[۱] نے ۱۹۴۰ء میں دہلی سے کیا[۲]، جو خالصتاً علم و ادب کے فروغ کے لئے مختص تھا مگر جلد ہی مسلم لیگ، کانگریس اور انگریزوں کی سیاست کو اپنی آغوش میں لے کر مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کا بھی فریضہ انجام دینے لگا۔ سیاسی معاملات کی بہتات دیکھتے ہوئے شہاب صاحب نے جلد ہی الہام ہی کے نام سے الگ ایڈیشن شائع کر کے نظریۂ پاکستان، مسلمانوں کے سیاسی مسائل، انگریزوں اور ہندوؤں کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے حوالے سے بڑے زوردار اور دور رس اثرات مرتب کرنے والے مضامین لکھ کر مسلمانوں کو سیاسی میدان میں کامیابی دلوانے میں اپنا کردار ادا کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں ''الہام'' اپنے مالک و ایڈیٹر کے ساتھ بہاولپور منتقل[۳] ہو کر ادب، سیاست، مذہب کے حسین امتزاج اور نئی ترجیحات کے ساتھ ہر سُو خوشبو بکھیرنے لگا۔ جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔

''الہام'' کے ایڈیٹر جن کا عقیدہ رہا کہ ''جس تقریب میں نعرۂ رسالت پر پابندی ہو اس کے عہدے کی مجھے ضرورت نہیں''[۴] نے ۷۰ء کی دہائی میں الہام کو خاص طور پر مسلک اعلیٰ حضرت کے ترجمان کے طور پر وقف کر دیا۔ اس حیثیت میں ''الہام'' اب تک کئی شاندار نمبر شائع کر چکا ہے۔ ۱۹۷۴ء میں تحریک ختم نبوت نمبر، ۱۹۷۵ء میں مشائخ نمبر، ۱۹۷۶ء میں کرامت اولیاء نمبر، ۱۹۷۸ء میں سنی کانفرنس (ملتان) نمبر اور اکتوبر ۱۹۸۵ء میں علامہ فضل حق خیر آبادی نمبر نیز کئی سال تک نعت نمبر اور میلاد نمبر شائع ہوتے رہے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس کے ساتھ اہل سنت والجماعت کی کئی نامور شخصیات کا

قلمی تعلق عرصۂ دراز سے الہام کے ساتھ جڑا رہا، جن میں مولانا شاہ احمد نورانی، علامہ فیض احمد اویسی، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، محمد موسیٰ امر تسری، مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری، سید مقبول حسن گیلانی، جناب مصطفیٰ علی بریلوی، سید محمد عبد اللطیف قادری، جناب شفیق الرحمان نوشاہی، جناب صابر ہزاروی جیسے صاحبِ علم و فضل اصحاب الہام میں اپنی تحریروں کے ذریعے جلوہ افروز رہے۔ علاوہ ازیں "الہام" کا ہر شمارہ مولانا بریلوی کی تعلیمات کے کسی نہ کسی پہلو کو اپنے اندر سموئے امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے موجود ہوتا ہے۔

الہام کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے پہلی بار اعلیٰ حضرت بریلوی نمبر شائع کیا جس میں مولانا کی تعلیمات کو بڑے ہی شاندار انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ میں نے اپنا یہ مضمون الہام کے اسی خاص نمبر کے حوالے سے سپردِ قلم کیا ہے، جس سے میرا مقصد نہ صرف الہام کا اہل سنت والجماعت خصوصاً اعلیٰ حضرت کے ساتھ محبت والفت کے رشتے کو سامنے لانا ہے بلکہ ان خدمات کا بھی ذکر کرنا ہے جو الہام نے اہل سنت والجماعت کے لیے سرانجام دیں۔

الہام کا اعلیٰ حضرت نمبر ۱۴ جون ۱۹۷۵ء کو شائع ہوا جس میں نامور علما و مؤرخین نے اعلیٰ حضرت کی شایانِ شان اُن کی زندگی کے ہر ہر پہلو کو شاندار طریقے سے اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اعلیٰ حضرت نمبر کی غرض وغایت بتاتے ہوئے اس کے ایڈیٹر رقم طراز ہیں کہ

> اس نمبر کی اشاعت سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ وہ نابغۂ روزگار ہستی جس کے علمی کارناموں اور دینی و ملی خدمات پر تعصب کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور جسے متعصب مؤرخین اور مخالف مکاتب فکر کے تنگ نظر اہل قلم نے اس کا جائز مقام نہیں دیا۔ اس کے افکار و خیالات، نظریات و معتقدات، دینی تفقہ اور علمی تبحر سے عوام کو روشناس کرایا جائے۔ تاکہ جو غلط فہمیاں اس عظیم المرتبت شخصیت کے بارے میں پیدا کر دی گئی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔[۵]

آپ مزید لکھتے ہیں کہ

> ہم یہ نہیں کہتے کہ "الہام" کا زیرِ نظر نمبر کلیتاً اس مقصد کو حاصل کر سکے گا کیونکہ جس متبحر عالم دین، مجدد ملت اور نابغۂ روزگار شخصیت کے متعلق یہ نمبر ترتیب دیا گیا ہے اس کی ہمہ گیری کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی شخصیت کے ایک ایک گوشے کو اجاگر کیا جائے اور اس کی علمی و دینی خدمات کا بھرپور جائزہ لیا جائے۔[۶]

بہر حال الہام نے اس بات کی پوری کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت و علمی و دینی تعلیمات کو عوام الناس تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ اس خاص نمبر میں شائع ہونے والے نامور شخصیات کے ۱۳ مضامین، ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی''، ''فاضل بریلوی اکابر اسلام کی نظر میں''، ''اعلیٰ حضرت کا مسلک''، ''مولانا امام احمد رضا خاں بریلوی، ایک متبحر عالم۔ ایک تاریخ ساز شخصیت''، ''حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ تاریخ کی ستم ظریفی''، ''منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے''، ''اعلیٰ حضرت اور مشاہیر عصر''، ''مولانا احمد رضا خاں کی فارسی شاعری''، ''اعلیٰ حضرت کے تعلقات معاصرین کے ساتھ''، ''فاضل بریلوی اور امور بدعت''، ''فاضل بریلوی اور مرزائیت''، ''فتاویٰ رضویہ اور فقہ حنفیہ''، ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات کا لاہور پر اثر'' نے اعلیٰ حضرت کی سیرت و کردار، تعلیمات و افکار، خدمات و صدقات، قلم و تلوار، سیاست و معاشرت، علم و آگہی، ادب و شاعری، تدبر و دانشمندی، مختلف علوم و فنون کے ماہر، مترجم و مؤلف و مصنف اور عشقِ رسول ﷺ کے ایسے ایسے گوشے بے نقاب کیے ہیں کہ پڑھنے والا اعلیٰ حضرت کی شان میں دادِ تحسین پیش کیے بغیر رہ نہیں سکتا۔ تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے:

فیاض کاوش نے اپنے مضمون ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی'' میں اعلیٰ حضرت کے جذبۂ عشق رسول ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کی شخصیت کے سیاسی و علمی پہلوؤں کے ذکر میں انگریزوں کی مکارانہ سیاست اور آپ کے ہاتھوں اس کا توڑ، قرآن کے ترجمے کا عظیم کارنامہ، علم ہندسہ اور ریاضی میں دسترس، فقہ میں مہارت اور فتاویٰ رضویہ کی اہمیت، سیاسی تدبر اور دو قومی نظریہ جیسے موضوعات کو زیرِ تحریر لاتے ہوئے اعلیٰ حضرت کو فقیہِ اعظم اور مجددِ ملت کا حق دار ٹھہرایا ہے۔ انہوں نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ

تحریک ترکِ موالات [۸] کے دوران جب گاندھی نے ہندو مسلم ایک قوم اور بھائی بھائی ہونے کا نعرہ لگایا اور کہا کہ انہیں متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف جدوجہد کرنی چاہیے۔ ہندوؤں کی اس چال کو نہ صرف علی برادران سمجھ نہ پائے بلکہ قائد اعظم اور علامہ اقبال جیسے دور اندیش رہنما بھی ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے ایسے موقع پر صرف اعلیٰ حضرت کی شخصیت تھی جو ہندووں کے مکر و فریب کو پوری طرح سے بھانپتے ہوئے نہ صرف اس اتحاد کی مخالف تھی بلکہ فتویٰ بھی جاری کیا کہ ''ہندو سے اتحاد شرعاً حرام ہے۔'' [۹] بعد کے حالات و واقعات نے آپ کے ان خیالات کی پوری طرح سے تصدیق کر دی۔ یوں اعلیٰ حضرت کی دور اندیشی اور سیاسی تدبر نے

سینکڑوں مسلمانوں کو نہ صرف مکمل تباہی سے بچالیا، بلکہ آپ کا یہ فتویٰ بعد ازاں اس دو قومی نظریے کا نقطۂ آغاز بھی ثابت ہوا جس کی بنیاد پر مسلمانانِ برِّ صغیر الگ وطن لینے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ۱۰؎

محمد نذیر رانجھانے اپنے مضمون "فاضل بریلوی اکابر اسلام کی نظر میں" دنیائے اسلام کے معروف علماءِ دین جن میں بر صغیر سے مولوی مفتی محمد عبد المنان، مولانا سراج احمد، پیر محمد اسحاق خان مجددی سرہندی، مولانا عبد الستار خان نیازی، اور سر زمین عرب سے شیخ محمد مختار بن عطارد الجادی (مسجدِ حرام مکۂ معظمہ)، شیخ مصطفیٰ ابن تارزی (مسجدِ نبوی، مدینۂ منورہ)، شیخ موسیٰ علی شامی، شیخ احمد ابو الخیر بن عبد اللہ (خطیب مسجد الحرام) نے شریعت و طریقت، تحقیق و تدقیقات، علم و فضل، غیرتِ ایمانی، سیاسی تدبر، قرآن، حدیث، فقہ، علم الکلام، تصوف اور سیاست ملکی کے ماہر کی حیثیت سے اعلیٰ حضرت کی سچائی اور ایمانی پختگی کی گواہی دی ہے۔ ۱۱؎ یہاں اعلیٰ حضرت کے بارے میں صرف چند حضرات کے تاثرات نقل کرتا ہوں۔ مشہور سیاستدان اور عالم دین مولانا عبد الستار خان نیازی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: "اعلیٰ حضرت سے شدید اختلافات رکھنے والے حضرات کو آپ کے علم و فضل، غیرت ایمانی اور سیاسی تدبر کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے ہیں کہ آپ قرآن، حدیث، فقہ، علم الکلام، تصوف اور سیاست ملکی میں فضل و کمال اور مہارت رکھتے تھے۔" ۱۲؎

سر زمینِ عرب میں آپ نے کچھ مدت گزاری وہاں بھی آپ کی علومِ دین و دنیا میں استعداد، حق گوئی اور سچائی آپ کی پہچان بنی رہیں۔ مسجدِ حرام (مکہ معظمہ) سے وابسطہ شیخ محمد مختار بن عطارد الجادی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرمایا کہ "بے شک مولانا احمد رضا خان اس زمانے میں علمائے محققین کا بادشاہ اور اس کی ساری باتیں سچی ہیں گویا وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہیں۔" ۱۳؎

"اعلیٰ حضرت کا مسلک" کے مضمون نگار جناب راجہ رشید محمود، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اہل سنت و الجماعت کے لیے حاصلِ حیات اور حاصلِ عقیدہ بتاتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و محبت میں ڈوبی ہوئی شاعری کے چند اشعار نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی شاعری محض محبت ہے، دین ہے، ناموس مصطفیٰ کا تحفظ ہے، جذبہ ہے اور خلوص ہے۔ ۱۴؎

جناب محمد ارشاد جمیل نے اپنے مضمون "مولانا امام احمد رضا خان بریلوی" میں آپ کے بچپن کے پاکیزہ اور متقی و متبع سنت واقعات کا ذکر کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ حضرت کو دنیا میں بھیجا ہی اپنے نبی کی سنّت کو پھیلانے کے لیے۔۱۵؎ آپ کے بچپن کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے فاضل مضمون نگار لکھتے ہیں کہ

اعلیٰ حضرت کے پہلے روزے کی افطار کی تقریب تھی اس سے ذرا پہلے آپ کے والد گرمی کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے ننھے احمد رضا کو ایک کمرے میں لے گئے جہاں فرنی کے پیالے رکھے تھے اور کہا بیٹا کھالو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ اباجان میرا تو روزہ ہے والد صاحب نے فرمایا بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے پھر تمہیں کوئی دیکھ بھی نہیں رہا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کے والد کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ کو کمرے سے باہر لے آئے۔۱۶؎

یہی خوف خدا اور راست بازی اعلیٰ حضرت کی دینِ مصطفوی سے والہانہ عشق کا سبب بنی جسے آپ نے تاحیات اپنے سر کا تاج بنائے رکھا۔ اعلیٰ حضرت کی دین مصطفوی سے والہانہ عشق کا ذکر کرتے ہوئے فاضل مضمون نگار نے برصغیر کے سیاسی اتار چڑھاؤ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کارہائے نمایاں کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ بعد ازاں آپ کی چند مشہور تصانیف جیسے کنز الایمان فی ترجمہ القرآن، العطایہ النبویہ فی الفتاوی الرضویہ اور حدائق بخشش جو اہل ایمان کے لیے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتی ہیں پر مختصراً مگر جامعیت کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔۱۷؎ تینوں مذکورہ تصانیف بلاشبہ ملت اسلامیہ کے نیک جذبوں کو پروان چڑھانے، اُن کے لیے ایمان کی مضبوطی اور اصلاح کا باعث بنی ہوئی ہیں۔

"ایک متبحر عالم، ایک تاریخ ساز شخصیت" کے قلم کار جناب قاضی محمد غوث منصور کا مضمون بھی پڑھنے والوں کو اعلیٰ حضرت کے بارے میں گراں قدر معلومات فراہم کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت ۵۰ سے زیادہ علوم فنون پر نہ صرف کامل دسترس رکھتے تھے بلکہ ان علوم پر آپ کی بے شمار قابل قدر تصانیف بھی موجود ہیں۔ انہوں نے اپنے مضمون میں مولانا کی ذہانت و فطانت کے کئی واقعات نقل کرتے ہوئے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر، ریاضی اور فلسفہ کے ماہر ڈاکٹر ضیاء الدین سے وابستہ ایک مشہور واقعہ نقل کیا ہے کہ کس طرح ڈاکٹر ضیاء الدین کے لیے ریاضی کا ایک مسئلہ لاینحل بنا ہوا تھا اور ہر طرف سے مایوس ہو کر جب ڈاکٹر صاحب مولانا سید سلیمان اشرف کے ہمراہ اعلیٰ حضرت کے پاس آئے تو اعلیٰ

حضرت نے انتہائی مختصر وقت میں وہ مسئلہ حل فرمادیا۔ جس پر ڈاکٹر ضیاء الدین یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ''افسوس ہم نے یورپ میں جا کر اپنا وقت ضائع کیا حالانکہ ہمارے ملک میں معقولات کا اتنا بہترین ماہر موجود ہے''۔ ۱۸؎

مولانا محمد حسن علی رضوی کا مضمون ''حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ تاریخ کی ستم ظریفی'' متحدہ ہندوستان میں اعلیٰ حضرت کی ہندو مسلم کشمکش کے دوران آپ کے اس مثبت کردار کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتا ہے جس کے نتیجے میں مسلمان اپنا الگ وطن پاکستان لینے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ۱۹؎

''اعلیٰ حضرت اور مشاہیر عصر'' میں محمد صادق قصوری نے بڑے دل نشیں انداز میں اعلیٰ حضرت سے علامہ اقبال کی محبت اور مولانا محمد علی جوہر و شوکت علی اور ڈاکٹر ضیاء الدین کے ساتھ ملاقاتوں کا احوال درج کیا ہے، جسے پڑھ کر یہ اندازہ کرنا ذرا مشکل نہیں ہوتا کہ اپنے دور کے صاحبِ علم و کمال لوگ اعلیٰ حضرت سے کس قدر متاثر تھے۔ اس سلسلے میں فاضل مضمون نگار نے علامہ اقبال سے منسوب ایک بیان قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

ایک تقریب میں مولانا کی طبیعت کی شدت اور بعض علما کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا کہ اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آپڑتی تو ان کا وقت اور علم و فضل ملت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً وہ اس دور کے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کہلا سکتے تھے۔ ۲۰؎

گویا علامہ اقبال کے نزدیک علم و فضل اور مسلمانوں کو درپیش مسائل کے حل کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کی ذات بڑی اہم تھی۔ آگے چل کر مضمون نگار لکھتے ہیں کہ ''علی برادران اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک (تحریکِ خلافت) میں شمولیت کی دعوت دی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے صاف فرمادیا کہ مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں۔'' ۲۱؎

یہ وہ زمانہ تھا جب تحریک خلافت کے دوران برصغیر کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد علی برادران کے گرد جمع ہو چکی تھی مگر اپنی تحریک کو پر جوش اور کامیاب بنانے کے لیے علی برادران نے مولانا کی

تحریک میں شمولیت کو ضروری سمجھا، مگر مولانا نے تحریک میں ہندوؤں کی شمولیت پر اعتراض کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ بلاشبہ آپ کا انکار آنے والے وقت نے درست ثابت کیا، کیوں کہ ہندوؤں کی وجہ سے یہ تحریک نہ صرف ناکام ہوئی؛ بلکہ مسلمانوں کو جانی، مالی اور معاشی طور پر زبردست نقصان اٹھانے پڑے تھے۔

"مولانا احمد رضاخاں کی فارسی شاعری " کے مضمون میں اعلیٰ حضرت کی صحابۂ کرام، اہل بیت، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اور دیگر اولیا عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان میں لکھی گئے مناقب کو نقل کرتے ہوئے فاضل مضمون نگار جناب سید رضاء اللہ شاہ عارف نوشاہی نے آپ کی شاعرانہ حیثیت کو بیان کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف مولود کے شاعر نہیں تھے بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی اور منقبت کے بھی شاعر تھے۔ ۲۲؎ اعلیٰ حضرت کی غزل کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

حیرت زدہ ام چہ خواب دیدم
در عین شباب آفتاب دیدم
آں جلوہ رخ بزیر گیسو
خورشید نہ سحاب دیدم
برقے زطور جاں ربائد
ایں طرفہ کہ بے حجاب دیدم ۲۳؎

سید نور محمد قادری نے اپنے مختصر سے مضمون "اعلیٰ حضرت کے تعلقات معاصرین کے ساتھ" میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، قاری شاہ سلیمان پھلواروی، سید علی حسین شاہ، حضرت مولانا عبد القادر بدایونی، مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی جیسے اہل علم و قلم اور معاشرے میں اپنا اثر و حلقہ رکھنے والے اصحاب کے ساتھ دیرینہ تعلقات کے حوالے سے لکھ کر یہ بتانے کی کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت کے مختلف نظریات و خیالات رکھنے والے اصحاب سے باہمی محبت و الفت کے رشتے استوار تھے۔

اپنے مضمون میں سید نور محمد قادری معروف شخصیات کے ساتھ اعلیٰ حضرت کے تعلقات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

شریفی خاندان علم طب اور علوم دینیہ کے لحاظ سے بر صغیر میں نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اس خاندان نے حکیم محمود خان، حاذق الملک حکیم عبد المجید خان اور حکیم اجمل خان جیسے صاحب علم و بصیرت کو جنم دیا۔ ان کے والد جناب حکیم محمود خان کی وفات پر اعلیٰ حضرت نے تین اشعار کا قطعہ لکھا، جو اس وقت بھی ان کے لوح مزار پر کندہ ہے۔"۲۴؎

سجدۂ تعظیمی، عورتوں کا مزارات پر جانا، ماہِ صفر کے آخری چہار شنبہ کی رسومات، سماعت و قوالی، قبر کا طواف و بوسہ، قبروں کو اونچا بنانا، امام ضامن، مزاراتِ اولیاء پر منکرات، بچوں کے سر پر چوٹی جیسی بدعات و مسائل کے حوالے سے سید محمد فاروق القادری نے اپنے مضمون "فاضل بریلوی اور امور بدعت" میں امورِ بدعات سے متعلق اعلیٰ حضرت کے ارشادات نہایت خوبصورتی سے نہ صرف قلم بند کیے، بلکہ اپنی تحقیق سے غیروں کے ان الزامات و اعتراضات کی بھی نفی کی جو وہ بدعات کے حوالے سے اعلیٰ حضرت پر لگاتے رہے ہیں۔۲۵؎

برِّ صغیر میں فتنۂ قادنیت نے جب سر اٹھایا تو علامہ فاضل بریلوی نے ان کے خلاف علمی و قلمی جہاد شروع کر دیا اور اس سلسلے میں متعدد کتابیں اور رسائل لکھ کر اس فتنے کو پوری طرح بے نقاب کیا، جس کے بڑے دوررس اثرات نکلے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۷۴ء کی تحریکِ ختم نبوت کے موقع پر مولانا کی تحریرات نے بڑی مقبولیت حاصل کی اور مسئلے کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ اور یوں ہزارہا مسلمانوں کو اس فتنے کی زد میں آنے سے بچالیا۔ مرزائیت کے حوالے سے آپ کی تصانیف کے متعلق علامہ محمد منشا تابش قصوری اپنے مضمون "فاضل بریلوی اور مرزائیت" میں اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اسلام کی وہ نامور اور عظیم المرتبت ہستی ہے جس نے برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے پردے میں اسلام کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ شاتمانِ رسول کے لیے آپ کی ذات ننگی تلوار کی حیثیت رکھتی تھی۔ فتنہ مرزائیت کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکنے کی آپ نے طرح ڈالی۔ منکرین ختم نبوت کے تمام گروہوں کی بروقت خبر لی تحریک تحفظ ختم نبوت کا بیڑہ اٹھایا۔۲۶؎

مولانا فیض احمد اویسی کا مضمون ''فتاویٰ رضویہ اور فقہِ حنفیہ'' بھی اعلیٰ پائے کا مضمون ہے، جس میں اعلیٰ حضرت کا فقہِ حنفیہ کے حل طلب مسائل کو حل کرنے کی کوشش کا ذکر ہے۔ اور فتاویٰ رضویہ میں ان مسائل کے حل کے لیے جو بحثیں کی گئی ہیں فاضل مضمون نگار انہیں اپنے مضمون میں زیرِ قلم لائے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا یہ وہ کارنامہ ہے جس پر اپنے اور غیر دونوں صدائے آفریں بلند کیے بغیر نہ رہ سکے۔۲۷

اعلیٰ حضرت کی تعلیمات نے لاہور اور اس کے گردونواح پر جو اثرات مرتب کیے محمد دین کلیم نے ان اثرات کا اپنے مضمون '' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی تعلیمات کا لاہور پر اثر''میں بڑی تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد، رشتہ داروں اور شاگردوں میں سے جو لاہور آئے ان کی خدمات اور امام رضا کی تعلیمات کو اس شہر کی رونق بنانے میں انہوں نے جو کردار ادا کیا اسے بالتفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

جب آپکے خلفاو تلامذہ لاہور پہنچے تو انہوں نے دارالعلوم نعمانیہ کو اپنا مرکز بنایا اور)اعلیٰ حضرت) کی تعلیمات کی اشاعت میں نمایاں حصہ لیا، جس کے نتیجے میں اب لاہور میں ستر فیصد سے زائد مسلمان حنفیت میں داخل ہیں۔ حکومت کے ذرائع ابلاغ، مجالس و محافل اور عرسوں میں آپ کے کلام کی مقبولیت ہے۔ مساجد میں آپ کے نظریات و اعتقادات پر وعظ ہوتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی وژن خصوصی پروگرام نشر کرتے ہیں، سینکڑوں چھوٹے بڑے دینی مدارس اور دارلعلوم اسی مکتبۂ فکر کی تشہیر کرتے ہیں جن میں انجمن نعمانیہ، حزب الاحناف، جامعہ نعیمیہ اور جامعہ نظامیہ رضویہ بہت ممتاز ادارے ہیں۔۲۸

محمد دین کلیم مزید لکھتے ہیں:

لاہور میں آپ کی تصانیف کی اشاعت کا کام زوروں پر ہے، جن میں سرِفہرست نوری بک ڈپو، مکتبۂ نبویہ، مکتبۂ رضویہ، مکتبۂ قادریہ، مکتبۂ رضوان اور مکتبۃ المعارف بہت مشہور ہیں۔ اب روزانہ اخبارات کے ملی ایڈیشن آپ کے متعلق لکھتے ہیں، رسائل و جرائد کے خصوصی نمبر بھی شائع ہوتے ہیں؛ غرضیکہ آپ کی تعلیمات اور نظریات کی کافی اشاعت ہو رہی ہے۔۲۹

علاوہ ازیں اسی خاص نمبر میں فیاض کاوش کی ''مجدد ملت'' عزیز حاصلپوری کی ''اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی '' ابو طاہر حسین فدا کی ''بندہ خیر الانام ''راجہ رشید محمود کی ''بحضور اعلیٰ حضرت بریلوی ''اور قمر یزدانی کی ''نذرِ عقیدت بخدمتِ گرامی مرتبت، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی

''محمد دین کلیم کی ''بحضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی''کی اعلیٰ حضرت کی شان میں مناقبات نے وہ سماں باندھا ہوا ہے کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے۔ ملاحظہ کیجیے ان ''عاشقانِ اعلیٰ حضرت'' کی مناقبات کے چند اشعار:

فیاض کاوش کا یہ شعر۔

مصطفیٰ کا ادب سکھاتے ہیں، راہ عشق نبی دکھاتے ہیں
الفتِ اہل بیت پر نازاں، اعلیٰ حضرت مجدد ملت ۳۰۔

عزیز حاصلپوری کے اعلیٰ حضرت کی محبت میں ڈوبے یہ اشعار۔

فقیہ اعظم فخر زماں احمد رضا تم ہو
مقام فقہ میں عرش آستاں احمد رضا تم ہو
بہار گلشن عرفانیاں احمد رضا تم ہو
نگارِ محفلِ دانشوراں احمد رضا تم ہو ۳۱۔

ابو طاہر حسین فدا کے اعلیٰ حضرت کے لیے یہ جذبات۔

اے شہِ احمد رضا! اے بندۂ خیر الانام
قدسیانِ عرش بھی کرتے ہیں تیرا احترام
عظمتیں شاہنشہی کی ہوں نہ کیوں تجھ پر نثار
تاجدارِ دو جہاں کا ہے ازل سے تو غلام ۳۲۔

راجہ رشید محمود کی اعلیٰ حضرت کے دین و دنیا کے علوم پر دسترس کو اشعار کے قالب میں ڈھالنے کا یہ انداز

علوم دین و دنیا اعلیٰ حضرت کی قلمرانی
نجوم و صرف و نحو و فلسفہ، جغرافیہ ازبر
ریاضی، منطق و تاریخ و ہیئت میں، تکلم میں
بریلی کی زمین پاک ہے گنجینہء گوہر ۳۳۔

قمر یزدانی کی اعلیٰ حضرت کی مداح سرائی میں کہے گئے یہ اشعار۔

غمزدوں کا آسرا ہیں حضرتِ احمد رضا
عاشقوں کے پیشوا ہیں حضرتِ احمد رضا
گتھیاں اہلِ زمانہ کی جو سلجھاتے رہے
خلق کے عقدہ کشا ہیں حضرتِ احمد رضا۳۴؎

اور محمد دین کلیم کے لکھے گئے ان اشعار!

آں امامِ عاشقانِ باصفا
آشنائے خواجہ درد آشنا
مخزنِ جو دو سخائے مصطفیٰ
معدنِ لطف وعطائے مصطفیٰ۳۵؎

نے اگرچہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کے مختلف گوشوں کو بے نقاب کیا مگر الہام میں موجود مکمل مناقبات تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پاکیزہ اور ہمہ جہت شخصیت کو یوں سامنے لائی ہوئی ہیں کہ ہر پڑھنے والا ورطۂ حیرت میں ڈوبا نظر آتا ہے۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ تھا جو ''الہام اور اعلیٰ حضرت'' کے تعلقات کے حوالے سے سپردِ قلم کیا گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی دین و دنیا کی رہ نمائی کا فریضہ انجام دینے والے وہ مینارۂ نور ہیں جس کی روشنی نے ہر سُو سویرا بکھیرا ہوا ہے اور اس سویرے میں ہر انسان اپنی دینی اور دنیاوی زندگی کی اصلاح اور پیش بندی کر سکتا ہے۔ ''الہام'' اس سویرے کو اپنے اندر لیے ہمہ وقت موجود ہے۔

ماخذ و مراجع

۱؎ معروف صحافی، مصنف، شاعر، افسانہ نگار، ادیب اور سیاست دان جناب شہاب دہلوی صاحب ۱۹۲۲ء کو دہلی کے علمی گھرانے

میں پیدا ہوئے۔ تحریک پاکستان سے عملاً اور مسلم لیگ سے مسلکاً وابستہ رہے۔ انجمن مدیرانِ جرائد دہلی اور مجلسِ اتحادِ ملّت دہلی کے جنرل سیکریٹری رہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں بہاولپور منتقل ہو کر دیگر امور کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر کتابیں لکھیں۔ آپ کی دو کتابیں "خواجہ غلام فرید کی حیات اور شاعری" اور "بہاولپور کی سیاسی تاریخ" ایم۔اے کے کورس میں شامل ہیں۔ ۱۹۴۹ء میں بلدیہ بہاولپور کے پہلے میونسپل کمشنر اور پہلے وائس چیئر مین منتخب ہوئے۔ صدر ایوب خان نے آپ کی سماجی خدمات کے اعتراف میں آپ کو سند اور لائسنس فری پستول دیا۔ آپ کے انتقال ۱۹۹۰ء کے بعد اب الہام آپ کے فرزند جناب پروفیسر ڈاکٹر شاہد حسن رضوی صاحب (اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور) کی نگرانی و سرپرستی میں مزید ترقی کی منازل طے کر رہا ہے۔
(بحوالہ ہفت روزہ الہام بہاولپور بیاد گار شہاب دہلوی نمبر دسمبر ۱۹۹۰ء)

۲۔ ہفت روزہ الہام (بہاولپور) بیاد گار شہاب دہلوی نمبر دسمبر ۱۹۹۰ء ص ۵

۳۔ ایضاً ص ۵

۴۔ ایضاً، ص ۱

۵۔ ہفت روزہ الہام (بہاولپور) ۱۴ جون ۱۹۷۵ء جلد نمبر ۳۵، شمارہ نمبر ۲۲، ص ۳

۶۔ ایضاً ص ۳

۷۔ ایضاً ص ۴-۶

۸۔ اسے تحریک عدمِ تعاون بھی کہتے ہیں جو تحریکِ خلافت کے دوران ۱۹۲۰ء میں انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں شروع ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ حکومت برطانیہ سے تعاون کا ہر رشتہ توڑ دیا جائے۔ نتیجتاً ہزاروں مسلمانوں نے اپنے اعزازات واپس کر دیے۔ طلبا نے تعلیم کو خیر باد کہہ دیا، سرکاری ملازمتیں چھوڑ دیں اس کا نقصان صرف مسلمانوں کو ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا پاکستانیکا، سید قاسم محمود، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ص ۳۹۰-۳۹۲)

۹۔ ہفت روزہ الہام (بہاولپور) ۱۴ جون ۱۹۷۵ء جلد نمبر ۳۵، شمارہ نمبر ۲۲، ص ۵

۱۰۔ ایضاً ص ۶

۱۱۔ ایضاً ص ۶

۱۲۔ ایضاً ص ۶

۱۳۔ ایضاً ص ۶

۱۴۔ ایضاً ص ۷

۱۵۔ ایضاً ص ۹

۱۶۔ ایضاً ص ۹

۱۷۔ ایضاً ص ۱۰-۱۱

۱۸۔ ایضاً تفصیل کے لیے دیکھیں ص ۲۱-۲۴

۱۹۔ ایضاً ص ۱۲
۲۰۔ ایضاً تفصیل کے لیے دیکھیں ص ۱۴–۱۵
۲۱۔ ایضاً ص ۱۵–۱۶
۲۲۔ ایضاً ص ۱۹
۲۳۔ ایضاً ص ۱۹
۲۴۔ ایضاً ص ۲۰
۲۵۔ ایضاً تفصیل کے لیے دیکھیں ص ۲۱–۲۴
۲۶۔ ایضاً ص ۲۲
۲۷۔ ایضاً ص ۲۳–۲۴
۲۸۔ ایضاً ص ۲۵
۲۹۔ ایضاً ص ۲۵
۳۰۔ ایضاً ص ۳
۳۱۔ ایضاً ص ۱۶
۳۲۔ ایضاً ص ۱۷
۳۳۔ ایضاً ص ۱۷
۳۴۔ ایضاً ص ۱۷
۳۵۔ ایضاً ص ۲۸

تبصرۂ کتب

اُردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی / ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (کراچی) / ۲۰۰۸ء / ۶۷۷ صفحات / مجلد مع گرد پوش، ۴۰۰ روپے۔

اُنیسویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی عمومی فکری فضا کو وسعت اور ہمہ جہتی کے ساتھ متاثر کرنے والی علمی اور دینی شخصیات میں سے ایک اہم شخصیت مولانا احمد رضا خاں کی بھی ہے۔ اس میں بھی شک نہیں کہ اپنے دیگر فضل و کمال کے علاوہ مولانا اردو نعت گوئی کی ایسی منفرد اور توانا آواز بھی ثابت ہوئے ہیں جس نے اردو نعت گوئی میں ایک نئے اور مستقل مکتبۂ فکر کی بنیاد رکھی۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے قرآن و سنتِ نبوی ﷺ کے علاوہ آثارِ صحابہ و اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے ساتھ ساتھ کتبِ تواریخ و سیر سے استفادے کی ایک روایت بھی آگے بڑھائی۔ ان کی یہ روایت آج تک نعت گو شعرا کے لیے ایک نشانِ راہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ اردو کے نعتیہ ادب میں علمی و فکری پہلوؤں کی تفہیم کی روایت بھی آپ ہی کی ڈالی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کی خوش نصیبی اور مقبولیت کا یہ حوالہ بھی کافی توانا ہے کہ ان کی نعت گوئی پر جس کثرت سے لکھا گیا ہے اردو میں کسی اور نعت گو پر نہیں لکھا گیا۔

مضامین و مقالات کی یہ کثرت ان کے عام چاہنے والوں کے لیے خوشی کا باعث تو ہو سکتی ہے، لیکن سنجیدہ سپاس گزاروں کے لیے اس کثرت میں طمانیت کا پہلو قدرے کم ہی ہے۔ اس کا پہلا سبب تو یہ ہے کہ اس موضوع پر لکھے گئے بیشتر مضامین محض تحسین کی غرض سے لکھے گئے؛ اگرچہ مولانا کی نعتیہ شاعری پر سنجیدہ علمی و تنقیدی مقالات بھی عرصے سے لکھے جاتے رہے لیکن ابتداءً تعداد میں کم ہونے کی بنا پر وہ اول الذکر تحریروں کے انبار تلے دب سے گئے۔ مولانا کی نعتیہ شاعری پر سامنے آنے والے

مطالعات میں عدمِ اطمینان کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اکثر مقالات و مضامین یا کتابوں میں مولانا کی مذہبی و علمی خدمات اور عشقِ مصطفوی ﷺ کے تذکار تو خوب خوب ملتے ہیں، لیکن نعت اور فنِ شاعری یا محاسنِ شعری کے حوالے سے چند جملوں یا سطروں سے زیادہ کچھ نہیں ملتا۔

ہمارا عمومی سماجی و مذہبی رویہ چوں کہ اکابرین کے علمی و ادبی کاموں پر تنقیدی نظر ڈالنے کا عادی نہیں ہے اس لیے مولانا کی نعتیہ شاعری پر بھی گفتگو کے دوران اگر کوئی لسانی یا ادبی اختلاف سامنے آیا تو اسے مولانا کی شخصیت یا علمی مرتبے پر حملہ تصور کیا گیا۔ اس طرزِ فکر کا نتیجہ یہ ہوا کہ بقول صبیح رحمانی ''ایک عظیم نعت گو شاعر ہماری سنجیدہ اور مرکزی ادبی تاریخ کا حصہ نہ بن سکا۔'' ادبی تاریخ کے بجائے مذہبی تاریخ سے وابستگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جامعاتی تحقیق میں زبان و ادب کے شعبوں میں طویل عرصے تک مولانا احمد رضا خاں جیسے نعت گو شاعر کو موضوعِ تحقیق ہی نہیں بنایا گیا۔ بیسویں صدی کے آٹھویں عشرے سے جامعات کی سطح پر کسی حد تک اس کمی کی تلافی کی کوشش دکھائی دیتی ہے۔ اس ضمن میں مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت کے دیگر پہلوؤں کے ساتھ ساتھ ان کی نعتیہ شاعری پر بھی ایم۔ اے سے بڑھ کر ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح کے مقالے لکھنے کا سلسلہ شروع ہوا۔

زیرِ تبصرہ کتاب بھی پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند کے لیے پیش کیے جانے والے ایک مقالے پر مشتمل ہے جسے عبد النعیم عزیزی نے ۱۹۹۴ء میں روہیلکھنڈ یونیورسٹی بھارت میں پیش کر کے تحقیق کی اعلیٰ سند حاصل کی۔ مولانا کی حیات و خدمات اور ان کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں کو نمایاں کرنے میں جن حضراتِ علم و ادب نے عقیدت مندی کے ساتھ علمی و تحقیقی انداز میں قلم اٹھایا ان میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، شاعر لکھنوی، ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے نام انتہائی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان ہی ناموں کے درمیان جناب عبد النعیم عزیزی صاحب بھی ہیں جو کہ اسلامیات کے استاد اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کے عقیدت مندوں کی صف میں شامل ہیں۔ آپ کے مضامین و مقالات ہندوستان اور پاکستان کے مؤقر

علمی جرائد میں شائع ہوتے ہیں۔ ''معارفِ رضا'' کے علاوہ ''نعت رنگ'' میں بھی ڈاکٹر صاحب کے مقالات باقاعدگی سے شائع ہوتے رہے ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب کے جائزے میں ۶۷۷ صفحات کی ضخامت اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔ ابتدائی ۳۷ صفحات پر ''سخن ہائے گفتنی'' از صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری، ''تقریظ'' از ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ''تاثرات'' از پروفیسر ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، ''پیش لفظ'' از پروفیسر ڈاکٹر غلام یحیٰ انجم، ''دیباچہ'' از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی۔ اس کے علاوہ مقالے کا خلاصہ از ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کے بعد ڈاکٹر عزیزی کی جانب سے ''اظہارِ تشکر'' بھی شامل ہے۔ ان مشمولات کے بعد ادارے کی جانب سے ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی کی شخصیت اور ''رضویات'' کے حوالے سے ان کی خدمات کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ یہ تعارف اگرچہ ضروری ہے لیکن اس میں موصوف کی پیشہ ورانہ دل چسپیوں کا بیان تشنہ ہے۔ اس ضمن میں ''نعت رنگ'' شمارہ ۲۰ میں ڈاکٹر سراج احمد قادری کا مضمون ''مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب کا تعارف'' قارئین کو نسبتاً زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے۔

مذکورہ کتاب کے ابتدائی چار ابواب نعت کی تعریف و تاریخ، اردو نعت کے عہد بہ عہد ارتقا، مولانا احمد رضا خاں کے عہد کے سیاسی، سماجی، تہذیبی، تمدنی و ادبی پس منظر اور مولانا موصوف کی حیات و شخصیت کا احاطہ کرتے ہیں۔ پہلے دونوں عنوانات تو اپنی جگہ خود پی۔ ایچ۔ ڈی کے عنوانات رہے ہیں اور کئی اعلیٰ درجے کی تحقیقی کتب اب تک منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ مصنف نے مناسب انداز سے ان دونوں ابواب کو سمیٹا ہے۔ قرآن و احادیث کے ساتھ ساتھ کتبِ تواریخ و سیر سے استفادے کی کوشش بھی نظر آتی ہے۔ بنیادی مآخذ و مراجع سے استفادے نے ان دونوں ابواب کی تحقیقی حیثیت کو وقیع بنا دیا ہے۔

مولانا احمد رضا خاں کا عہد ہندوستان کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص حد درجہ انتشار، افراتفری اور بے چینیوں کا زمانہ تھا۔ ایک طرف علمی سطح پر نمودار ہونے والی علمی و عقلی تحریکات اذہان کو شکوک و اوہام میں مبتلا کر رہی تھیں، تو دوسری جانب مقامی مسائل ہندو، مسلم اور انگریز کی تثلیث کے زیرِ اثر دن بہ دن الجھے ہوئے ذہنوں کے انتشار کو بڑھانے میں معاون ہو رہے تھے۔ ۱۸۵۷ء

کے بعد مسلمانوں کے ذہنی اضمحلال میں اضافہ بھی ہوا اور انھیں نئی سیاسی قوت یعنی انگریزوں کی مخالفت اور ردِ عمل کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ۱۸۷۰ء کے بعد سے کسی نہ کسی حد تک مسلمان رہ نماؤں نے اس صورتِ حال کو سمجھنے اور اس سے نبرد آزما ہونے کا آغاز کیا۔ علیگڑھ کی تعلیمی اور اصلاحی تحریک بھی بوجوہ بہت سے شکوک و اوہام کا شکار ہو کر ردو قبولیت کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ بعد میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام، تقسیمِ بنگال اور اس کی منسوخی، ریشمی رومال کی تحریک، آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام، روس میں مقدس مقامات کی بے حرمتی، طرابلس پر اٹلی کا حملہ۔ پہلی جنگِ عظیم، انگریزوں کی ترک دشمنی اور اس کے ردِ عمل میں ہندوستان میں تحریکِ خلافت کا آغاز، اسی عرصے میں تحریکِ ہجرت اور تحریکِ ترکِ گاؤکشی بھی سامنے آئیں۔

مذکورہ بالا عالمِ انتشار و فساد میں مولانا کی علمی و عملی زندگی کا بڑا حصّہ گزرا، لیکن اس تمام عرصے میں وہ ایک بالغ نظر اور دور اندیش مدبر کی حیثیت سے ہر معاملے پر رائے دیتے رہے۔ بسا اوقات ان کی رائے اجتماعی رائے سے ہٹ کر سامنے آتی رہی اور اس بنیاد پر مولانا پر شدید نوعیت کے الزامات بھی عائد ہوتے رہے، لیکن وہ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے۔ ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے تیسرے باب میں بے حد اختصار، لیکن جامعیت کے ساتھ ان تمام امور کو تحقیقی انداز میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا کے عرصۂ حیات کے دوران رونما ہونے والے اہم اور قابلِ ذکر ادبی و شعری رجحانات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا کے ہم عصر نمایاں شعرا اور نثر نگاروں کا مختصر جائزہ بھی پیش کیا ہے۔ اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے یہ باب قابلِ لحاظ ہے۔

مولانا کی شخصیت کے حوالے سے بھی کئی کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں ان میں سب سے بنیادی اور اہم کتاب ڈاکٹر مسعود احمد کی ''حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ '' ہے، جس میں ڈاکٹر مسعود صاحب نے بڑی تحقیق کے ساتھ مولانا کے ذاتی اور خاندانی کوائف کو اکٹھا کر دیا ہے۔ (ڈاکٹر مسعود صاحب کی کتاب اگرچہ بہت ضخیم نہیں، لیکن انھوں نے اس کتاب میں اس موضوع کے تعلق سے تمام ہی متعلقہ حوالے جمع کر دیے ہیں۔) ڈاکٹر عزیزی نے ان حوالوں کے علاوہ خانوادۂ بریلی سے اپنی خصوصی نسبت

اور روہیلکھنڈ کے قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مقالے کے اس حصے کو زیادہ مفید بنایا ہے۔ مولانا کے شخصی اور روحانی کمالات کا کم سے کم بیان کرتے ہوئے ان کے علمی اور فقہی مقام کے بیان پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ یہ اس کتاب کی ایسی خوبی ہے جو مولانا کے موضوع پر لکھی جانے والی اکثر کتابوں میں نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ اس باب میں فاضل مصنف نے ایک اور بہت اہم پہلو نمایاں کیا ہے اور وہ ہے مولانا کی علومِ عقلی و نقلی پر مہارت۔ اکثر مصنفین اس حوالے سے قلم اٹھاتے ہوئے عقیدت کے جوش میں موضوعات و مضامین کی فہرست تو گنوا دیتے ہیں، لیکن مناسب شواہد دینے سے گریزاں دکھائی دیتے ہیں (شاید ان کا مبلغِ علم اس کی اجازت نہیں دیتا)، لیکن ڈاکٹر عزیزی نے متوازن اور علمی انداز میں ان تمام موضوعات کا تذکرہ کیا ہے جن پر کسی نہ کسی حوالے سے مولانا کی قلمی کاوشیں منظرِ عام پر آئی ہیں اور اہلِ علم نے اپنے علمی اور تحقیقی جائزوں میں انھیں شامل کیا ہے۔ اسی حصّے میں ڈاکٹر صاحب نے ایک اہم پہلو کی نشان دِہی کرتے ہوئے ''بریلویت'' کو بطورِ فرقہ یا مسلک قائم کرنے کے حوالے سے مغالطے کی تردید کی اور لکھا ہے کہ مولانا نے کوئی نیا مسلک یا فرقہ قائم کیا تھا (ص: ۲۶۳، ۲۶۲)۔ اس باب کے لیے بھی مصنف نے بنیادی اور ثانوی مآخذ و مراجع کی کثیر تعداد سے استفادہ کیا ہے۔

پانچویں باب میں مولانا کے حوالے سے تخلیقی رویوں اور محرکاتِ شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے عہد کے کم و بیش تمام ہی اہم ادبی اور شعری رجحانات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس جائزے میں عصری سیاسی و فکری مباحث کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اسی جائزے کی بنیاد پر چھٹے باب میں مولانا کی شاعری کے انفرادی خدوخال اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ساتویں اور آٹھویں باب میں مولانا کی نعت گوئی کی انفرادی شناخت یعنی عشقِ مصطفوی ﷺ کی تہ داریوں کا جائزہ ان کے مزاج، عقیدے اور عصری ضرورتوں کے تناظر میں لیا گیا ہے۔ یہی وہ مخصوص زاویہ ہے جس کے مطابق اردو نعت گوئی کی تاریخ میں مولانا کا منفرد اور وقیع مقام سامنے آتا ہے۔ ڈاکٹر عزیزی نے آٹھویں باب میں اسی مقام و مرتبے کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ اس جائزے میں فنِّ شاعری کے تمام ہی اصول و ضوابط پر احمد رضا خاں کی نعت کو پرکھنے کی کاوش دکھائی دیتی ہے۔ فنِّ شاعری کے علاوہ مصنّف نے اس جائزے میں ان تمام علوم و فنون

کی مبادیات کو بھی شامل کیا ہے جن کی جھلک مولانا کے کلام میں جابہ جا موجود ہے۔ اس مبسوط اور تفصیلی مطالعے کے نتیجے میں آخری باب میں مصنف مولانا کے نعتیہ کلام کے بارے میں یہ رائے قائم کرتے ہیں:

> زبان و بیان پر رضا کا عبور، طرزِ ادا کی رنگینی، معنیٰ آفرینی، نادرہ کار تشبیہات، لطیف اشارے و کنایے، سیماب صفت الفاظ، رقصاں و تاباں صنعتیں، تجسیم و صورت گری، علامت نگاری وغیرہ وہ خوبیاں ہیں جو ایک سچی اور بڑی شاعری کی جان ہوتے ہیں۔ ان ہی اوصاف اور رضا کے تبحرِ علمی نے ان کے جوہرِ عشق کو انگیز کر کے ان کی شاعری کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ نعت میں اس طرح کا رچاؤ اور تغزل کا رنگ پیش کرنا وہ بھی فنِ نعت کے تمام حدود و قیود کے دائرہ میں آپ کی تخلیقی استعداد اور قوتِ شاعری کا ہی ثمرہ ہے۔ (ص: ۶۵۱)

اب بعض باتوں کی جانب اس خیال سے اشارہ کیا جاتا ہے کہ یہ ایک تحقیقی نوعیت کی کتاب ہے اور ایک عبقری شخصیت کے ایک اہم پہلو پر پی۔ ایچ۔ڈی کی سند کے مقصد سے ضبطِ تحریر میں لائی گئی ہے۔ مقالہ نگار نے مآخذ و مراجع کے ذیل میں ۲۰۰ سے زائد کتب و رسائل کا اندراج کتابیات کی صورت میں فراہم کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہر باب کے آخر میں بھی مآخذ کی فہرست فراہم کی گئی ہے۔ یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ ان ذیلی مآخذ میں سے بہت سی کتابوں کا اندراج حتمی فہرست یا کتابیات میں نہیں کیا گیا۔ اگر یہ اہتمام کر لیا جاتا تو مکمل کتابیات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا کیوں کہ یہ تو سامنے کی بات ہے کہ ایک تحقیقی تصنیف کے معیار کا اولین اندازہ مآخذ کی مقدار و معیار سے ہی لگایا جاتا ہے۔

اشاعتی ادارے کے سربراہ کی جانب سے لکھی گئی تحریر ''سخن ہائے گفتنی'' میں زیرِ تبصرہ کتاب کی قدر و اہمیت کا بیان کرتے ہوئے محقق کو ''جدید تحقیق کی تیکنیک'' سے بخوبی واقف قرار دیا گیا ہے لیکن اندراجات کا غیر سائنسی انداز اس بیان کو تسلیم کرنے میں مانع ہے۔ مقالہ نگار کو بنیادی اور ثانوی مآخذ کی تمیز تو ہے، لیکن کتابیات میں اس سلیقے کو برتنے سے اجتناب روا رکھا گیا ہے۔ اندراجات مصنف وار کے بجائے کتاب وار درج کیے گئے ہیں، مگر مکمل تفصیلات فراہم نہیں کی گئیں۔ کہیں ابواب کے بعد دی گئی ترتیب میں سنین اور ناشر کو نظر انداز کیا گیا ہے اور کہیں بنیادی کتابیات میں اس سے گریز کیا گیا۔ کہیں بین المتن درج کیے گئے حوالوں میں مکمل فہرست دی گئی ہے، لیکن کتابیات میں اس سے گریز کیا گیا۔ اخبارات و رسائل سے استفادے کی صورت میں بھی کتابیات میں صرف رسالے کا نام اور سنِ اشاعت ہی درج کیا گیا، مضمون نگار اور شمارہ نمبر کو نظر انداز کیا گیا ہے۔

اگرچہ اردو دنیا اب تک رسمیاتِ تحقیق کے عالمی معیارات سے زیادہ مانوس نہیں، لیکن یہاں جن کمزوریوں کی جانب اشارہ کیا گیا ہے وہ بڑی بنیادی نوعیت کی ہیں۔ کم از کم اشاعت سے قبل اس زاویے سے نظرِ ثانی کرلی جاتی تو بہتر ہوتا۔ مصنفین اور اشاعتی اداروں کے لیے یہ غور کا مقام ہے کیوں کہ ایک اچھی علمی اور تحقیقی نوعیت کی کتاب میں اس نوع کی کوتاہیاں سنجیدہ اور باذوق قارئین کو مایوس ہی کرتی ہیں۔ اس صورت میں یہ عمل اور سنگین ہو جاتا ہے، جب حروف خوانی میں بھی دقّتِ نظر سے کام نہ لیا گیا ہو۔ زیرِ نظر کتاب میں حوالوں کے بین المتن اندراجات مقابلتاً بہتر انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ لیکن اکثر کلیات و دواوین کی صورت میں مکمل معلومات فراہم نہیں کی گئیں (ص: ۱۴۴؛ ۱۴۷ وغیرہ)۔ بعض مشہور کتابوں کے نام کتابت کی غلطی سے کچھ سے کچھ ہو گئے۔ مثلاً ظفر علی خان کا مجموعہ ''حبسیات'' ص: ۱۴۸ پر حسیات پڑھا جاتا ہے۔

جہاں تک ہمارے علم میں ہے زیرِ نظر کتاب کے مسوّدے کی عکسی نقل ایک طویل عرصے سے ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے کتب خانے میں اشاعت کی غرض سے محفوظ تھی۔ ۲۰۰۳ء میں مذکورہ مسوّدے کو ایک بار دیکھنے کا موقع ملا تھا، اسی وقت اس مسوّدے کے حروف مدھم پڑ چکے تھے۔ اگر کمپوزنگ اسی مسوّدے سے کی گئی ہے تو پروف خوانی میں مزید دقّتِ نظر کی ضرورت تھی۔ اس امر میں تساہل نے ایک اچھی کتاب کا تاثر مجروح کیا ہے۔

عام طور پر مقالے کا خلاصہ جامعات کی تیکنیکی ضرورت کے تحت شامل کیا جاتا ہے؛ کتابی صورت میں اس کی ضرورت نہ تھی۔ اظہارِ تشکر کو دیباچے کا حصّہ بھی بنایا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک تحقیقی کتاب میں رسمی نوعیت کی تقریظ، تاثرات اور پیش لفظ سے احتراز کیا جاتا تو اور بہتر ہوتا۔ (جس اشاعتی ادارے یعنی ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے یہ کتاب شائع کی ہے یہ مضامین اگر اس کے نمائندہ مجلے ''معارفِ رضا'' میں شائع ہوتے تو زیادہ بہتر ہوتا۔) کتاب معمولی کاغذ پر شایع ہوئی ہے۔

ڈاکٹر تنظیم الفردوس، کراچی، پاکستان

مقالہ نگاروں کے لیے ہدایات

ادارتی پالیسی

معارفِ رضا ایک اسلامی تحقیقی مجلہ ہے جو رضویات اور اس کے تمام ذیلی عنوانات کا احاطہ کرتا ہے اور محققین کو امام احمد رضا کی مذہبی، سماجی، فلسفیانہ، معاشی، نفسیاتی، تعلیمی، سائنسی اور ادبی افکار و نظریات پر اپنی تحقیقات پیش کرنے کے لیے پلیٹ فارم مہیا کر رہا ہے۔ امّتِ مسلمہ کو موجودہ دور میں درپیش مسائل اور چیلنج معارفِ رضا کا موضوع ہیں۔

درجِ ذیل معلومات مصنّفین کو ان کے مسوّدے کو عالمی معیار کے مطابق پیش کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔

مسوّدے کی تیاری کے لیے راہ نما اُصول

زبان: مسوّدہ ایڈٹ شدہ ہو۔

اسٹائل: مصنفین کی ذمّے داری ہے کہ ان کا مقالہ اے پی اے مینول کے مطابق ہو۔

ٹائپنگ اور اسپیس: پورے مقالے میں فاؤنٹ سائز ۱۴ اور سطروں کے درمیان دوگنا فاصلہ ہو۔

خالی حاشیہ: صفحات کے چاروں طرف ایک ایک انچ خالی حاشیہ ہو۔

صفحہ نمبر: صفحات کے اوپر بائیں جانب سرورق سے آخر تک ترتیب میں صفحہ نمبر لکھیں۔

ترتیب: سرورق (بشمول عنوان، ذیلی عنوان، مقالہ نگار کا نام اور ادارے کا نام، مقالہ نگار کا ای میل ایڈریس)، خلاصہ، اصل مقالہ، مآخذ و مراجع، ضمیمہ، جداول، تصاویر۔

خلاصہ: مقالے کا خلاصہ پانچ سطروں میں اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں علیحدہ تحریر کریں۔

فارمیٹ: مقالے کے عناصر اس ترتیب میں ہوں۔ تعارف، لٹریچر ریویو، طریقۂ کار، تحدید، اعتذار، مقاصدِ تحقیق، تحقیق کی تفصیل، خلاصۂ تحقیق، نتائج، عملی اطلاق، مآخذ و مراجع۔

اقتباسات: چار سطروں سے مختصر اقتباسات ''واوین'' کے ساتھ عام عبارت کا حصّہ ہوتے ہیں۔ چار سطروں سے طویل اقتباس کو ایک سطر خالی چھوڑ کر عام عبارت سے علیحدہ دائیں جانب اضافی حاشیہ چھوڑ کر تحریر کریں۔

جداول اور تصاویر: جداول علیحدہ صفحات پر مقالے کے ساتھ منسلک کریں۔ جداول کو ترتیب وار نمبر دیں اور ہر جدول کی عبارت میں جگہ کی نشان دہی واضح طور پر کریں۔ معارف رضا میں جانداروں کی تصاویر شائع نہیں ہوتیں۔ دیگر تصاویر کے لیے جداول کے بارے میں درج شدہ ہدایت پر عمل کریں۔

ماخذومراجع: ماخذومراجع نئے صفحے پر "ماخذومراجع" کی سرخی کے نیچے تحریر کریں۔ ماخذ کو ترتیب وار نمبر دیں۔

ضمیمہ: ہر ضمیمے کے لیے علیحدہ صفحہ استعمال کریں۔

مندرجات کی ذمّے داری

مندرجات کی درستگی اور تصدیق کی تمام ذمّے داری مقالہ نگار کی ہے۔ ادارے اور مجالسِ ادارت و مشاورت کا مقالہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ادارتی طریقۂ کار

معارفِ رضا میں اشاعت کے لیے وصول ہونے والے مضامین کو مدیران ادارتی پالیسی کے مطابق اشاعت کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ منتخب مضامین کو مجلس ادارت کے اراکین کو جانچ کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔ عموماً ایک سے زائد اراکین سے رائے لی جاتی ہے تاکہ دنیا بھر سے کئی آرا حاصل ہو جائیں۔ اکثریت رائے کی بنیاد پر مقالے کی بعینہٖ، تبدیل شدہ یا عدم اشاعت کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

معارفِ رضا کے لیے وصول ہونے مقالات کی جانچ کے لیے ڈبل بلائنڈ ریویو کا طریقۂ کار استعمال ہوتا ہے، جس کے تحت مقالہ نگار اور جانچ کرنے والا ماہر ایک دوسرے کو نہیں پہچان سکتے۔ اس طریقۂ کار کی افادیت کے لیے ضروری ہے کہ مقالہ نگار اندرونی عبارات اور حواشی میں کہیں اپنی شناخت ظاہر نہ کریں۔

مقالات بھیجنے کا طریقہ

مقالہ نگار اپنے مقالات ای میل کے ساتھ منسلک کر کے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (ٹرسٹ) کے ای میل ایڈریس imamahmadraza@gmail.com پر بھیجیں۔ فائل مائیکروسافٹ ورڈ کے فارمیٹ میں ہو۔ بصورتِ مجبوری اِن پیج سافٹ ویئر کی فائل بھیجیں۔ ساتھ ہی اپنے مسوّدے کی چار کاپیاں ادارے کو بذریعہ ڈاک بھیجیں۔

آف پرنٹس

شائع شدہ مقالے کے دس آف پرنٹس مقالہ نگار کو پیش کیے جائیں گے۔

دعوت برائے مقالہ نگاری

وہ محققین جو ادارتی پالیسی کے مطابق اپنے مقالات معارفِ رضا میں شائع کروانے کے خواہش مند ہیں ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ معارفِ رضا کے اگلے شمارے کے لیے اپنے مقالات ادارے کو ارسال کریں۔

خریداری کا طریقہ

معارف رضا جرنل سال میں ایک بار شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایک شمارے کی قیمت درج ذیل ہے:

پرنٹ ایڈیشن

خریدار اداروں کے لیے اعلیٰ کاغذ ۷۰۰ روپے یا ۱۰ امریکی ڈالر / عام کاغذ ۳۰۰ روپے یا ۵ امریکی ڈالر

انفرادی خریداروں کے لیے اعلیٰ کاغذ ۴۵۰ روپے یا ۷ امریکی ڈالر / عام کاغذ ۲۵۰ روپے یا ۳ امریکی ڈالر

بذریعہ ڈاک طلب کرنے والے رقم ایڈوانس میں روانہ کریں۔ پاکستان کے قارئین رقم پاکستانی روپوں میں روانہ کریں؛ دیگر افراد اپنی رقوم ڈالر کی صورت میں بھیجیں۔ انفرادی خریداری کا نرخ صرف اس صورت میں لاگو ہوگا جب متعلقہ شخص دستی طلب کرے یا بذریعہ ڈاک طلب کرنے کی صورت میں رقم نقد یا اپنے ذاتی منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعے اپنے ذاتی پتے پر طلب کرے۔

معارف رضا سالنامے کے گزشتہ شمارے بھی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (ٹرسٹ) سے کی بُک شاپ سے دستیاب ہیں۔

مزید معلومات کے لیے رابطہ کریں

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ)، ۲۵ جاپان مینشن، دوسری منزل، ریگل، صدر، کراچی۔ پوسٹ کوڈ ۷۴۴۰۰

فون: ۰۲۱-۳۲۷۲۵۱۵۰ فیکس ۰۲۱-۳۲۷۳۲۳۶۹ ای میل imamahmadraza@gmail.com

رقم کی ادائیگی کا طریقہ کار

(۱) ادارے کے دفتر میں نقد رقم دستی (۲) بذریعہ منی آرڈر (۳) بذریعہ بینک ڈرافٹ جو ادارے کے بینک اکاؤنٹ نمبر ۴۵-۵۲۱۴ حبیب بینک لمیٹڈ، پریڈی اسٹریٹ برانچ، صدر، کراچی کے نام بنایا گیا ہو۔ منی آرڈر اور بینک ڈرافٹ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ) کے درج بالا پتے پر بھیجیں۔ معارفِ رضا رقم کی وصولی پر روانہ کیا جائے گا۔

مقالات کی اشاعت کے لیے اجازت

معارف رضا میں شائع شدہ مقالات اور دیگر مواد کی دوبارہ اشاعت کے لیے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل کی ویب سائٹ www.imamahmadraza.net ملاحظہ کریں یا ادارے سے ای میل imamahmadraza@gmail.com پر رابطہ کریں۔

اشتہارات

معارف رضا میں اشتہارات کی اشاعت کے لیے رابطہ کریں:

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ)، ۲۵ جاپان مینشن، دوسری منزل، ریگل، صدر، کراچی۔ پوسٹ کوڈ ۷۴۴۰۰

فون: ۰۲۱-۳۲۷۲۵۱۵۰ فیکس ۰۲۱-۳۲۷۳۲۳۶۹ ای میل imamahmadraza@gmail.com

معارفِ رضا اُردو (آئی ایس ایس این ۸۵۶۳-۲۰۷۹) ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا انٹرنیشنل (ٹرسٹ) سالانہ شائع کرتا ہے۔

سالانہ ڈاک فیس جی پی او صدر کراچی اور دیگر اضافی داخلی مقامات پر ادا شدہ ہے۔

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کا قیام ۱۹۸۰ء میں کراچی میں عمل میں آیا تھا۔ ادارے کے قیام کا مقصد امام احمد رضا کے علمی و تحقیقی افکار کی ترویج و اشاعت ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (ٹرسٹ) اپنے مقصد کے حصول کے لیے درج ذیل اہداف کے حصول میں کوشاں ہے۔

۱۔ امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا پر تحقیق کرنے والے افراد اور اداروں کی معاونت اور روابط قائم کرنا۔

۲۔ امام احمد رضا کی مطبوعہ تصانیف اور غیر مطبوعہ مخطوطات پر تحقیق اور ان کی اشاعت کا بندوبست کرنا۔

۳۔ امام احمد رضا کے علمی و تحقیقی آثار کے عالمی اور علاقائی زبانوں میں تراجم شائع کرنا۔

۴۔ رضویات پر ماسٹرز، ایم فل، پی ایچ ڈی اور پوسٹ ڈاکٹریٹ سطح پر جامعات میں تحقیق میں مدد کرنا۔

۵۔ امام احمد رضا کے جدید تعلیم یافتہ طبقے میں تعارف کے لیے اعلیٰ تحقیقی جرنلز کو مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔

۶۔ مختلف ممالک اور شہروں میں امام احمد رضا کانفرنس کا انعقاد کرنا۔

۷۔ امام احمد رضا اور متعلقاتِ رضا کے حوالے سے عالمی معیار کی لائبریری کو وسعت دینا۔

۸۔ عوام میں جرائد و اخبارات اور الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے امام احمد رضا کے علمی و تحقیقی افکار کا ابلاغ کرنا۔